ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

اکتوبر 2023ء ۔ ربیع الاول، ربیع الثانی 1445ھ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 10 | اکتوبر 2023ء | جلد 31

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

450/= روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	پیر سید خضر حسین چشتی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تذکرہ و تبصرہ	سید ریاض حسین شاہ	10
4	درسِ حدیث	حافظ سخی احمد	13
5	پارسی صحابی نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا	ڈاکٹر اظہر نعیم	16
6	میلاد النبی ﷺ اور نورِ سیرت	علامہ محمد ارشد	23
7	حضور کار ہائشی انتظامات	محمد بن علوی المالکی الحسینی	25
8	حسنِ کامل ﷺ	آصف بلال آصف	27
9	سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی	صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی	29
10	ہدیہ حروف	سید ریاض حسین شاہ	31
11	آپ ﷺ کی تعریف و توصیف	ماسٹر احسان الٰہی قصور	32
12	شیخ اکبر ابن عربی کے مختصر حالات	غلام وارث شاہد عبیدی	34
13	جادۂ حق	محمد صدیق	35
14	اسلاف کرام کی تجارت اور ہمارا معاشرہ	محمد ہاشم اعظمی مصباحی	39

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

اَلنُّعُتُ الْعَرَبِی

مَرْحَبَا بِالنَّبِی فِی الْحَرَم
مَرْحَبَا بِاالصَّفِیِّ فَی الْقِدَم

مدینہ منورہ میں جلوہ فرما ہونے والے اور ازل سے چنے ہوئے کے لیے مرحبا

خَاتِمًا لِاَنْبِیَائِ فِیْ شَرَفٍ
حَکِمِ الْاَصْفِیَائِ فَی الْحَشَم

آپ بزرگی کے اعتبار سے آخری نبی ﷺ ہیں اور دبدبہ میں صوفیائے کرام کے حاکم ہیں

قُدْوَۃِ الطَّاہِرِیْنَ فِیْ نَسَب
رَحْمَۃِ الْعَالَمِیْنَ فِی الْکَرَم

آپ ﷺ نسب میں پاکوں کے پیشوا ہیں، بخشش میں تمام جہانوں کے لیے رحمت

اِسْمُہٗ حَلُّ کُلِّ کُرْبَتِنَا
عِلْمُہٗ غَوْثُ کُلِّ مُنْہَدِم

آپ ﷺ کا اسم شریف ہماری ہر مشکل کا حل ہے، آپ ﷺ کا علم پاک کرنے والوں کا فریادرس ہے

سَیْرُہٗ خَتْمُ کُلِّ مَا عُلِیَتْ
خَیْرُہٗ کَنْزُ کُلِّ مُغْتَنِم

آپ ﷺ کی سیر ہر بلندی کا آخر ہے اور آپ ﷺ کی خیر ہر غنیمت گننے والے کا خزانہ ہے

سَادَ کُلَّ الْکِرَامِ فِیْ خُلُقٍ
زَادَ کُلَّ الْفِخَامِ فِی الْحِکَم

آپ ﷺ اخلاق میں سخیوں کے سردار ہیں اور حکمتوں میں بزرگوں سے افضل ہیں

اِسْعَنْ اَیُّهَا الْخَضِرُ بِہٖ
اِنَّہٗ عَوْنُ کُلِّ مُعْتَصَم

اے خضر تو آپ ﷺ ہی سے استعانت کر کیونکہ آپ ﷺ ہی دامن کو مضبوط پکڑنے والے مددگار رہیں

پیر سید خضر حسین چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہنشاہ بغداد کی خوبصورت زندگی

ارباب علم ودانش!

آج کا عنوان سیدی وسندی شیخ عبد القادر جیلانی الحسنی ہیں۔ میں چاہوں گا کہ ان کی نور نور زندگی کے اس گوشہ عظیم کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں جہاں زندگی کا حسن نکھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آرزوئے صدق پر شباب دکھائی دیتی ہے اور اظہار حق تمام انسانی طبقات کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بجائے معرفت باری کے صراط مستقیم پر گامزن کر دیتا ہے۔

شیخ کی زندگی محنت، جدو جہد اور تگ و تاز سے عبارت ہے۔ انسان جب محنت سے محروم ہو جائے، پتھروں کی طرح ہو جاتا ہے۔ کام، کام اور کام انسان کو عروج کے آسمان پر دولھا بنا کر جلوہ زن کر دیتا ہے۔

انگلستان کے ایک شاعر ملٹن نے کہا تھا:

''انسان پیدا ہی اس لیے ہوا ہے کہ وہ عیش وعشرت سے نفرت کرے اور جفاکشی کی زندگی بسر کرے''۔

Man is born to scorn delight and to live laborious days.

لارڈ ٹینیسن کہتے ہیں:

''ہم یہاں دل بہلانے یا خیالی پلاؤ پکانے اور رواں دواں ہونے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم نے کام کرنا ہے اور بوجھ اٹھانا ہے اس لیے کہ یہ خدا کا عطیہ ہے''۔

We are not here to play, to dream, to drift, we have work to do and load to lift. Shun not struggle that is God's Gift

محنت کا مدار اپنا اپنا ہے۔ کسی کا منشور زندگی کھاؤ، پیو اور عیش کرو، کہیں شاعرانہ زندگی کے خواب وخیال کرکٹ کھیلتے رہیں، کہیں عسکری زندگی کی بے جا ہنگامہ خیزیاں، کہیں ہوس اقتدار کی بے چینیاں، کہیں خوشیوں کی کھوکھلی نمائشیں اور کہیں ستاروں اور سیاروں کی طرف بڑھنے کی مہم جوئیاں، جس راہ میں سواروں کی اڑتی گرد دیکھیں زندگی کی سفلہ کاریاں قافلہ انسانیت کو پریشاں کیے ہوئے ہیں۔ بغداد یہاں سے تھوڑا دور ہے لیکن کسی زمانے میں وہاں ایک خوبصورت عبقری بیٹھا تھا۔ اوائل زندگی میں جوش وخروش نہیں تھا لیکن جنگلوں اور بیابانوں میں اس کے درس حیات کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ سفر ہی سفر، طلب ہی طلب اور محنت ہی محنت، علم کی راہ میں، صدق کی راہ میں، یقین کی راہ میں اور نور ورحمت کی راہ میں۔ وہ ایک شخص تھا یا مہر تابندہ، جس کے وجود میں روشنی ہی روشنی نظر آتی تھی۔ محنت اور فضل کے ملگجے میں عبدالقادر جیلانی الحسنی کی آغوش طلب میں فطرت نے کیا ڈالا ذرا غور سے دیکھیے:

ذراعی من فوق السموت کلها
و من تحت بطن الحوت امدوت راحتی

میرے بازوؤں کی لپیٹ میں سارے آسمان ہیں
اور مچھلیاں جہاں رہتی ہیں گویا تری میں میری ہتھیلی بچھی ہوئی ہے
اتنا ہی نہیں شیخ یہ بھی فرماتے:

و اعلم نبت الارض کم ھو نبتة
و اعلم رمل الارض عدا لبرملة
و اعلم علم اللہ احصی حروفه
اعلم موج البحر عدا الموجة

سیدی وسندی شیخ المعظم کی پرواز پر لوگوں کو اس وقت بڑی حیرانگی ہوتی ہے جب شیخ سفینہ نوح میں موجود ہوتے ہیں، چاہ یوسف کا نظارہ کر رہے ہوتے ہیں، ضرب کلیمی کا راز بن جاتے ہیں، بلاؤں میں ایوب کے ساتھی ہوتے ہیں، عیسیٰ جب بولتے عبدالقادر بھی ساتھ موجود ہوتے ہیں، اسماعیل کو ذبح کے لیے گرایا جاتا ہے تو انہیں اپنی جوانی یاد آجاتی ہے۔ دنیا آپ کی باتیں جاننے سے جب عاجز، درماندہ اور واماندہ ہو جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

و ما قلت ھذا القول فخراً وانما
اتی الاذن حتی تعرفوا من حقیقتی

اور میں نے یہ بات فخر سے نہیں کی ہے، مجھے اذن ملا تاکہ تمہیں میری حقیقت کا پتہ چل جائے فکر اور سوچ کے گدھ جب یہ بات

بھی نہ جان سکے تو آپ نے اپنا راز منکشف کر دیا اور فرمایا:

انا کنت فی العلیا بنور محمدﷺ
و فی قاب قوسین اجتماع الاحبه
شربت بکاسات الغرام سلافةً
بما انتشعت روحی و جسمی و مهجتی

مقامات عالیہ میں میرا وجود نور محمدﷺ کی مدد
ان کی معیت میں تھا اس لیے کہ قاب قوسین میں حضورﷺ کے احباب بھی تو آپ کے ساتھ تھے
اسی مقام پر میں نے پہلا جام محبت نوش کیا
جس سے میری روح، جسم اور دل سیر ہو گئے۔

و شاؤس ملکی ساره شرقاً و مغرباً
نصرت لاهل الكربِ غوثاً و رحمةً

''بخت کی پرواز اور نگاہ کی بلندی کہ میرا ملک مشرق اور مغرب ٹھہرا اور میں اہل کرب کے لیے غوث ٹھہرا لیکن یہ بطفیل رحمت مصطفیٰﷺ تھا''۔

(ترجمہ ''نصب اور جر'' کے فنی استعمال کی بنا پر یوں کیا گیا)

ایک عظیم صوفی کا قول ہے دنیا اور آخرت کی بھلائی پانچ میموں سے ہے:

میم محبت کی
میم محنت کی
میم محمدﷺ
میم مواسات کی
اور میم مراجعت کی

ہم محنت کے بعد دنیائے محبت کی طرف بڑھتے ہیں۔

محبت کیا چیز؟

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے:

''محبت ایک ایسی حالت کا نام ہے جو بندے کے دل میں پیدا ہوتی ہے، جو الفاظ اور عبادات کے ذریعے بیان نہیں کی جا سکتی، بندے میں جب اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، وہ اللہ کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے، صبر و قرار ختم ہو جاتا ہے، دل پر اللہ کے ملنے کا جذبہ چھا جاتا ہے''۔

ابو عبد اللہ قرشی فرماتے تھے کہ محبت یہ ہے کہ محب اپنا سب کچھ محبوب کو پیش کر دے۔

حضرت ابوعلی رود باری فرماتے تھے:

''محبت ہر حال میں محبوب کی موافقت کا نام ہے''۔

حضرت شبلی فرماتے تھے:

''محبوب کے سوا دل سے ہر ایک کو مٹا دینا محبت ہے''۔

دقاق کا قول ہے:

''محبت محبوب سے خوش رہنے کا نام ہے''۔

سیدی وسندی ومولائی عبد القادر جیلانی الحسنی کے نزدیک محبت روشنی ہے جو محبوب میں گم ہو کر نور بن جاتی ہے جس سے سارا جہاں منور ہو جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

فواذ به شمس المحبة طالعٌ
فلیس لنجم العذل فیه مواقعٌ

''سیدی وسندی کی محبت بگاڑتی نہیں بناتی ہے۔ تخریب کی راہوں پر نہیں ڈالتی تعمیر سے نئے نئے جہاں روشن کرتی ہے۔ اس میں تاؤ اور الاؤ سے بچانے کی صلاحیت موجود رہتی ہے''۔

حسین بن منصور حلاج جس کا آگ میں جل جانا شہیر ہے۔ جنید بغدادی نے تو انہیں قبول ہی نہیں کیا البتہ شبلی کہا کرتے تھے:

انا و الحلاج شئی واحدٌ
فاهلكهٗ عقلهٗ و خلصنی جنونی

لیکن سیدی وسندی عبد القادر جیلانی الامام کی محبت منزل نواز ہے۔ آپ نے حلاج کے بارے میں ارشاد فرمایا:

عثر الحلاج و لم یکن فی زمانهٖ
من یاخذ بیدهٖ و لو ادرکتهٗ لاخذت بیدهٖ

اور یہ بھی کہ ہمارے ہاں عشق کی کتابیں کھولنے والے علم واخلاق کو خیر باد کہہ دیتے ہیں، لیکن بغداد کا شہریار جب محبتوں کی پر خطر وادیوں کا صحرانورد بنتا ہے تو علم واخلاق کو فراموش نہیں کرتا بلکہ فرماتا ہے:

تبارکت یا ذالقدرة الازلیة
فمد نیغی بالفضل منک و نعمةٍ
و ایدتنی بالعلم و الحلم و التقی
و وقیتنی من کل شر و فتنهٍ

عبد القادر جیلانی کا شوق انہیں علم کی راہ ڈالتا ہے اور ان کا علم ان میں حلم اور بردباری پیدا کرتا ہے۔ شوق، علم اور حلم کی قدریں معلم کی تلاش کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ یوں سیدی وسندی ومولائی، معلم کائنات کے در دولت میں حاضری دیتے ہیں اور آپ کی

توجہ سے تقویٰ کا تحفہ ملتا ہے اور اس طرح آپ قطب اور غوث ہونے کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ یہاں یہ سچ کھل جاتا ہے کہ مرغی کی طرح آنکھیں موندنے سے قلندر اور غوث نہیں بنا کرتے۔ اس منزل کا اگر کوئی سچا مسافر ہو تو اسے سیدی عبد القادر جیلانی کے اقوال کو نشان منزل بنانا چاہیے۔

آپ فرماتے ہیں:

''تم اکثر یہ کہتے ہو کہ فلاں کو قریب کر دیا گیا اور میں محروم ہو گیا، فلاں کو غنی بنایا گیا اور مجھے محتاج کر دیا گیا، فلاں شخص عافیت سے نوازا گیا اور میں بیمار ہوں، فلاں بزرگ ہوا اور مجھے حقیر کر دیا گیا، فلاں کی مدح ہوئی اور میری مذمت، فلاں کی تصدیق کی گئی اور میری تکذیب، کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ اپنی ذات اور صفات میں لاشریک ہے، وہ ایک ہے اور دوستی میں بھی وحدت پسند کرتا ہے، وہ دوست اسی کو بناتا ہے جو دوستی میں یگانہ ہو، جب اللہ غیر کے ذریعے اپنے فضل ونعمت سے قریب کرے تو محبت کم ہو جائے گی اور پیار تقسیم ہو جائے گا۔ اللہ غیور ہے وہ محبت میں کسی دوسرے کا شریک ہونا پسند نہیں فرماتا۔ اللہ کا تم پر بڑا احسان رہے گا اگر تم سے اسی کی محبت ظاہر ہو اور تم ظاہر و باطن میں اللہ ہی کے لئے ہو جاؤ اور خیر و شر صرف اسی کی طرف دیکھو! اللہ محبت کا یہ معنی اپنے فضل ہی سے تم پر ظاہر کرے گا''۔

شیخ دنیائے محبت میں کبھی خوشبو، کبھی روشنی، آسمان اور کبھی خود درخشندہ بن جاتے ہیں، وہ زمین پر اپنے بسنے والوں میں ہوں تو اپنی نسبت محبت یاد کرتے بھی ہیں اور یاد کرواتے بھی ہیں اور جب ان کی محبت عشق کا رنگ اختیار کر لیتی ہے تو وہ ''باز اشہب'' بن جاتے ہیں۔

آپ کا اپنا ہی ارشاد ہے:

انا بلبل الافراح املا رَوُحَها
طرباً و فی العلیا باز اشھب

''میں سب سے بڑے درخت جس کی شاخوں نے پوری دنیا کو اپنے سائے میں لیا ہوا، کا وہ بلبل ہوں جس کے طرب ناک نغمے فرحت بخش ہیں اور دوستی و اعلیٰ مقامات کے لیے میں باز اشہب ہوں جس کی پرواز کو کوئی پہنچ نہ پائے''۔

آپ اپنی صحبت محبت کا حال خود بیان فرماتے ہیں اور آپ کا یہ شعر بغداد کی زیارت کرنے والے آپ کی جامع مسجد کے مغربی دروازے پر لکھا ہوا بھی پائیں گے:

انا من رجالٍ لا یخاف جلیسھم
ریب الزمان و لا یری ما یرھب

شیخ نے علوم و معارف کی کوئی ایسی قسم نہیں جس کے صحرا میں قدم نہ رکھا ہو، لیکن وہ بڑے واشگاف انداز میں اپنی کامیابیوں کا راز محبت اور عشق کو قرار دیتے ہیں، یہی وہ ابدی سوز حکمت ہے جس کا راز عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا۔

آپ فرماتے ہیں:

قطعت جمیع الحجب للحب صاعداً
و ما زلت ارقی سائراً بمحبتی

ایک مزید ار بات جس کا راز شیخ نے تو کھولا ہے لیکن لوگ عام طور پر بیان نہیں کرتے آپ اپنے مریدوں کو لاخوف کرنے کے لیے فرماتے ہیں:

مریدی ، ھم ، و طب و اشطخ و غنی
فافعل ما تشاء فالاسم عالی

شیخ کے حاسدین آپ کے اس دعوے کو جب مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں تو آپ فوراً فرما دیتے ہیں:

و کل فتیً علیٰ قدم و انی
علی قدم النبی بدر الکمالِ
علیہ صلاۃُ ربی کل وقتٍ
کتعدادِ الرمال مع الجبالِ

فیاضی، سخاوت، عظمت کردار، ندرت فکر، ہمت یگانہ، بلندی پرواز، رفعت نگہ، پاک بازیٔ دل، وثوقِ مواساۃ اور بارانِ عطا، شیخ ہر میدان کے باز اشہب ہیں لیکن خوبصورت زندگی کے جو راز آپ نے فتوح الغیب کے ایک مقالہ میں ارشاد فرمائے ہیں بڑے کرم کا مینہ برسایا ہے۔

آپ نے دس خصلتیں لکھی ہیں جو علم وادب اور سلوک وتصوف کو جواہر پارے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

''بندہ کسی صورت میں بھی اللہ کی قسم نہ کھائے سچی، نہ جھوٹی، عمداً نہ سہواً اس لیے کہ ترک حلف سے انوار الٰہیہ کا نزول بند ہو جاتا ہے''۔

دوسری خصلت آپ نے رقم فرمائی:

''بندہ قصداً یا مذاقاً ہر حالت میں جھوٹ بولنے سے بچے اس لیے کہ جھوٹ سے بچنا شرح صدر کی دولت سے نوازتا ہے اور اس سے علم روشن ہوتا ہے''۔

تیسری خصلت آپ لکھتے ہیں:

''کسی سے وعدہ کرتے وقت وعدہ خلافی سے ڈرے یا وعدہ نہ کرے اس لیے کہ جو شخص وعدہ خلافی سے بچتا اور ڈرتا ہے اس کے لیے سخاوت اور حیا کے دروازے کھلتے ہیں''۔

چوتھی خصلت بیان فرمائی:

''مخلوق میں سے کسی پر بھی لعنت نہ کرے اور ذرہ بھر کسی کو اذیت نہ دے اس خصلت کے پیدا کرنے سے انجام بخیر ہوگا۔ دنیا میں آفات سے اللہ بچائے گا اور اللہ اپنا قرب عطا فرمائے گا''۔

پانچویں خصلت ہے:

''بندہ مخلوق میں سے کسی کے لیے بددعا نہ کرے اگرچہ کسی نے اس پر ظلم ہی کیا ہو اور زبان سے بھی کسی سے قطع تعلق نہ کرے اس سے قریب وبعید تمام مخلوق میں اس کی مقبولیت پیدا ہوگی اور وہ مستجاب الدعوات بن جائے گا''۔

چھٹی خصلت آپ نے ارشاد فرمائی:

''اہل قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر، شرک اور منافقت کی گواہی نہ دے یہ درجہ علیا کے حصول کا سبب ہے یہ خصلت اللہ تک رسائی کے لیے بڑا دروازہ کھول دیتی ہے''۔

ساتویں خصلت یہ ہے کہ:

''بندہ اپنے ظاہر اور باطن کو گناہوں کی طرف میلان سے بچائے اور اپنے اعضاء کو گناہوں سے روکے حصول ثواب میں اس سے زیادہ کوئی چیز کارگر نہیں''۔

آٹھویں خصلت آپ نے یہ بیان فرمائی:

''کسی آدمی پر کم یا زیادہ بوجھ ڈالنے سے گریز کرے بلکہ اپنا بوجھ تمام مخلوق سے اٹھالے۔ اللہ والوں کی عزت کا کمال یہی ہے اس سے آوازِ حق اور دعوت صدق میں اثر اور کشش پیدا ہوگی۔ یہ اخلاص تک پہنچنے کا بہترین راستہ ہے''۔

آپ فرماتے ہیں نویں خصلت یہ ہے:

''لوگوں سے حرص و طمع کو ختم کردے یہ ان لوگوں کی نشانی ہے جو سب سے رشتہ توڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں''۔

دسویں خصلت تواضع ہے:

''یہ چیز عنداللہ اور عندالناس، عزت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ جس سے ملو اس کو خود سے بڑا جانو''۔

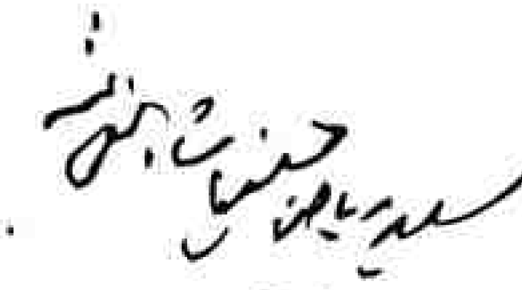

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کررہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 172 تا 177 کی تفسیر پیش کررہے ہیں۔ (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌۚ (۱۷۲) اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ (۱۷۳) فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ (۱۷۴) اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۱۷۵) وَ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــٴًـا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۱۷۶) اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــٴًـا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۷۷)

''وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے، ان میں سے احسان اور تقویٰ والوں کے لیے بڑا اجر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں لوگوں نے دھمکی دی کہ ناسپاس منکرین حق تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں سوان سے ڈرو توان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور وہ پکار اٹھے ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔ سو وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے، انہیں کوئی برائی چھو تک نہ سکی اور انہوں نے اللہ کی انتہائی خوشنودی اپنائی اور اللہ بڑے فضل والا ہے، بے شک یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے خوف دلاتا رہتا ہے تو ان سے خائف نہ ہو اور اگر تم مومن ہو تو میرا ہی خوف رکھو اور آپ کفر میں جلدی کرنے والوں کے لیے غمگین نہ ہوں وہ ذرہ برابر بھی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌۚ (۱۷۲)

''وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے، ان میں سے احسان اور تقویٰ والوں کے لیے بڑا اجر ہے''۔

اس آیت سے چند آیات آگے تک ایک سلسلہ بیان ہے جو مسلمانوں میں ہمت اور حوصلہ کی نشوونما کے لیے اترا ہے۔ پس منظر کے لحاظ سے مفسرین نے دو روایتیں نقل کی ہیں: ایک کا تعلق غزوہ حمراء الاسد کے ساتھ ہے (594):

یہ وہ لوگ تھے جنہیں پندرہ شوال اُحد کے معرکے سے فارغ ہونے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے پکار لیا تھا اور ابوسفیان کے لشکر کا تعاقب کرنے کے لیے حکم دے دیا۔ اپنے غلاموں اور مجاہدین کی حالت یہ تھی، اُحد کے معرکے کی تلخیاں بھی ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں اور زخم ابھی رِس رہے تھے۔ دردوں کی شدت انتہا پر تھی اور اقارب اور رشتہ داروں کی تڑپتی لاشیں دیکھی ہی نہیں تھیں قبروں میں بھی اتارا تھا۔

ایسی کیفیت میں حکم نے آزمائش کو اور شدید کر دیا کہ کوئی ایسا شخص ہمارے ساتھ شریک سفر نہیں ہو سکتا جو غزوۂ احد میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہوا ہو، ایسے ابتلا آفرین ماحول میں غلاموں کا لبیک کہنا اور حضور ﷺ کے نقوش پا کے زخموں سے بوسے لینا وفا کے نئے اور بلند علم نصب کر دینے کے مترادف تھا۔ یقیناً ایسا اقدام حوصلوں کی تازہ داستان رقم کرنے کے لیے تھا کہ کوئی کافر یہ نہ سمجھ لے کہ اُحد کے نقصان کی وجہ سے مسلمان ضعیف ہو چکے ہیں اب ان میں دم خم نہیں رہا۔ حضور ﷺ کے حکم اور اقدام میں بے شمار حکمتیں تھیں لیکن اصل بات نصب العین کی اہمیت کے لیے یہ ثابت کرنا تھا کہ ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک زندگی کی قیمت نہیں نصب العین کی قیمت ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ غزوہ بدر صغریٰ کے موقع پر نازل ہوئی۔ غزوۂ اُحد سے واپسی پر ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہم تم سے پھر ملیں گے۔ اس موقع پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اجازت لے کر ابوسفیان کو جواب دیا تھا کہ انشاء اللہ ضرور دو دو ہاتھ ہوں گے۔

ابوسفیان واپس وطن پہنچتے ہی سامانِ جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا اور شعرا اور خطباء سے کہا کہ شاعری اور خطبات سے ماحول سازی کرو۔ نعیم بن

مسعود اشجعی مدینہ سے مکہ پہنچا اور یہ بات عام کر دی کہ لشکر اسلام مکہ کی طرف اسلحہ اور سامان جنگ سے لیس ہو کر آگ کی طرح آگے بڑھ رہا ہے۔ مجاہدین اتنے زیادہ ہیں کہ راہیں جیسے اناردانوں سے بھری ہوں۔ ابوسفیان نے اشجعی سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم نے اُحد کے بعد وعدہ کیا تھا لیکن یہ سال جنگ کے لیے سازگار نہیں۔ قحط سالی نے ہمیں توڑ کر رکھ دیا ہے اور جانوروں کے لیے چارہ تک نہیں مل رہا لہٰذا تم واپس جا کر کسی طرح مسلمانوں کو خوف زدہ کرو تمہارا معاوضہ سہ سالہ بیس اونٹ ہوں گے۔ اشجعی نے اونٹوں کی تگی کی لالچ میں واپسی پر کچھ کرنا چاہا لیکن حضور ﷺ نے مدینہ میں عبد اللہ بن رواحہ کو خلیفہ مقرر کیا اور پندرہ سو مجاہدین کو حضرت علی کی قیادت میں علَم دے کر مکہ کی طرف رخصت کر دیا۔ ابوسفیان بھی دو ہزار اشقیا کے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلا اور ''مرالظہران'' پہنچ کر یہ بہانہ بنایا کہ خشک سالی کی وجہ سے لڑائی ممکن نہیں لیکن اصل میں علی کی تلوار اور مجاہدین کے جذبے نے اُسے بزدلانہ واپسی پر مجبور کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ستر سواروں کے ساتھ بدر پہنچ گئے اور آٹھ دن قیام فرما کر مدینہ واپس لوٹ آئے۔ مفسرین نے آیت کے شان نزول میں یہ روایت بھی نقل کی (595)۔ رازی نے آخری بات حمراالاسد سے جوڑی ہے (596)۔

واللہ اعلم

آیت کا باطن

قرآن مجید کی زیرِ تفسیر آیت کا تربیتی باطن چند اسباق پر مشتمل ہے جن پر قاریٔ قرآن کو توجہ دینے کی ضرورت ہے:

☆ **پہلی بات**

قرآن مجید وفا شعاران اسلام کو ان کی فضیلتوں کے ساتھ قیامت تک قرآن پڑھنے والوں کے سامنے رکھتا ہے کہ دیکھو حالات کی شدت کے باوجود ان کا دامنِ وفا داغدار نہ ہوا، ایسے لوگوں کے کردار کو نمونہ سمجھ کر زندگی میں اتار لو اسلاف کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں۔

☆ **دوسری بات**

اللہ اور اس کے رسول کی پکار اور دعوت کو قبول کر لینا ہے۔ استجابت غلامی کا حسن ہے اور قبولیت کی سند ہے۔ قرآن مجید سکھاتا ہے کہ حالات کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہو جائیں دعوت کو قبول کرو ایسا ہرگز نہ کرو کہ نعمتوں کا دسترخوان ہی تمہیں لذتوں کا اسیر بنا لے۔ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کتنے عظیم لوگ تھے زخم کھلتے رہے، خون گرتا رہا، سانسیں اکھڑتی رہیں لیکن وفا کی راہ میں وہ تسلیم و رضا کے پیکر بنے رہے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ محبوب کی خوشی اور مرضی بھی کیسی دولت ہے۔

☆ **تیسری بات**

تربیت کا تیسرا سبق احوال کی تلخیوں کے باوجود اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالے رکھنا ہے۔

قرآن مجید ان لوگوں کی کیفیت قرآن پڑھنے والوں کے سامنے رکھ رہا ہے جو زخمی حالت میں پندرہ (15) شوال کو معرکۂ اُحد سے فارغ ہوئے اور سولہ (16) شوال کو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: جس حالت میں ہو اٹھو اور راہ خدا میں نکل پڑو۔ کتنا فرق ہے کہ مخالفین جب بھاگ رہے تھے وہ راستے میں ستو بکھیرتے جا رہے تھے اور غلامانِ رسالت مآب اپنے زخموں کا خون راہوں میں بکھیرتے جا رہے تھے اور بتا رہے تھے محبوب کے راستے میں وفا کا امتحان پاس کرنے سے خارِ مغیلاں کی نوکیں، تلوار کی انیاں، نیزوں کی چھنیں اور خنجروں کی دھاریں کوئی بھی اور کچھ بھی روک نہیں سکتا۔ آیت کا درس کتنا خوبصورت، میٹھا اور لذیذ ہے۔

☆ **چوتھا سبق**

راہ وفا میں احسان کو بھولنا نہیں ہے۔ احسان نیکیوں اور اخلاص وخلوص کا روحانی نظام ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے آگ میں بھی یہ یاد رہنا چاہیے۔ جنگ آگ ہوتی ہے اس میں جن لوگوں نے نیکی، اخلاص، محبت، عشق اور اطاعت کے تقاضے پورے کیے ہیں وہ قابلِ صد سلام ہیں۔

☆ **پانچواں سبق**

راہ ابتلا میں ''تقویٰ'' کو یاد رکھنا اور اس کے تقاضے پورا کرنا بڑا سبق ہے اسے یاد ہی رہنا چاہیے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

''یہ وہ ہیں جنہیں لوگوں نے دھمکی دی کہ ناسپاس منکرین حق تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں سو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور وہ پکار اٹھے ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے''۔

آیت میں ''اَلَّذِيْنَ'' سے مراد وہ اہل ایمان اور اصحابِ استقامت ہیں جنہیں مشرکین اور ان کے ساتھیوں نے ڈرانا چاہا لیکن ان کی ایمانی کیفیت اور یقین پر بہار آ گئی وہ جیسے یقین کے آسمان پر بیٹھے ہوں اور جنت کی خوشبو سونگھ رہے ہوں۔ قرآن مجید ان باوقار لوگوں کی تصویر قارئین قرآن کے سامنے رکھ رہا ہے کہ جو ''ایمان'' کے جلووں میں زندگی گزارنے والے ہوتے ہیں وہ بس اللہ کے لیے ہوتے ہیں اور ان کی ہر چیز اللہ کی ہوتی ہے، وہ وسوسوں کی ریت میں گھر نہیں بناتے وہ قرب کی جنت میں عرش نشین ہوتے ہیں۔

''قَالَ لَهُمُ النَّاسُ'' سے مراد کون لوگ ہیں؟

☆ علامہ فخر الدین رازی نے پہلا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس سے مراد نعیم بن مسعود جس نے حرص اور لالچ میں آ کر مسلمانوں کو ڈرانا چاہا تھا (597)۔

☆ دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو اس نے مسلمانوں کے بارے میں من گھڑت باتیں کیں تاکہ وہ ان کو بزدل بنا دے اور جنگی ضمانت کی بنیاد رکھے۔

☆ تیسرا قول سدّی کا ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔

آیت میں ایمان کے اندر اضافہ سے مراد کیا ہے؟

مفسرین نے لکھا کہ مسلمانوں نے جب مشرکین اور منافقین کی ایمان سوز باتیں سنیں تو انہوں نے ان کی طرف توجہ نہ دی بلکہ دلوں میں جہاد کے لیے اور پختہ عزم سجا لیا اور اطاعت رسول میں تسلیم ورضا کا پیکر بن جانے کا ارادہ کر لیا۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

"سو وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے، انہیں کوئی برائی چھو تک نہ سکی اور انہوں نے اللہ کی انتہائی خوشنودی اپنائی اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

مجاہدین کی تڑپتی زبانوں پر "حسبنا اللہ" کے ذکر نے عجب سماں باندھ دیا۔ کتنا بڑا جملہ ہے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے۔ ذکر اور عقیدہ کی برکت نے اس قافلے کو ہمت دے دی، حوصلوں سے نواز دیا، وہ ٹکرا جانے کے لیے تیار ہو گئے اور منزل پر پہنچ کر قیام کیا۔ دشمن کو حوصلہ نہ پڑا کہ مقابلہ کرتے۔ مجاہدین باہمت کا کارواں اللہ کی نعمتوں اور فضل کے ساتھ واپس لوٹا۔ مفسرین نے لکھا کہ نعمت سے مراد عافیت اور فضل سے مراد تجارتی نفع ہے اور یہ بھی لکھا گیا کہ نعمت سے مراد دنیاوی منافع اور فضل سے مراد اخروی ثواب ہے(598)۔

سیّد قطب نے لکھا کہ ایک ہی رات میں پختہ کار ہو جانا، انداز فکر میں رسوخ آجانا، راہ خدا میں متناسق ہو جانا، جم جانا، دلوں کی دھند اور میل کا دور ہو جانا۔ ہر قسم کے خلجان کا نام و نشان نہ رہنا، تلخ تجربوں کا نفوس کے اندر معلم بن جانا، ذکر کا یاوری کرنا، یہ سب کچھ نعمت افضل اور اللہ کا بڑا افضل تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی روحانی منزل اللہ کی رضا اور رضوان بن گئی۔ وہ قوم مدح و فضیلت کے بڑے بلند مقام پر فائز ہوتی ہے جو اللہ کی رضا اور تسلیم و اطاعت کی راہوں میں رواں دواں ہو جاتی ہے(599)۔

واللہ اعلم

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾

"بے شک یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے خوف دلاتا رہتا ہے تو ان سے خائف نہ ہو اور اگر تم مومن ہو تو میرا ہی خوف رکھو"۔

آیت میں شیطانی وسوسہ اندازیوں اور دسیسہ کاریوں کو بے حجاب کیا جارہا ہے کہ وہ اسلامی معاشرے کو اپنے دوستوں کے ذریعے کس طرح تباہ کرتا ہے۔ سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنی تفسیر میں مخبرون اور منافقین کی ملی بھگت سے جو شیطانیت کا جال بنا جارہا تھا اسے موضوع آیت سمجھا ہے(600)۔ اس میں شک نہیں کہ فطرت مسلمانوں کی آزمائش کے لیے ہر میدان میں ایک طرف کوریت پر قائم کر کے آزماتا ہے اور شیطان اسی کچی جگہ اپنا جال لگا دیتا ہے۔ آیت کا شان نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ ہے لیکن شیطانی تخویف کاری تو ہر زمانے کا موضوع ہے۔

علامہ بغوی نے لکھا(601):

پروپیگنڈہ کرنے والوں کی زبان میں شیطان بیٹھ گیا اور ہوائیاں چھوڑنی شروع کر دیں۔ مجاہدین کو پست ہمت بنانے کے لیے کمزوریوں کے بیج دلوں کی زمین میں کاشت کرنے شروع کر دیے۔ آیت میں اولیاء سے مراد عساکر کفر کے سردار ہیں۔ سدی نے یہ تفسیر کی کہ شیطان تمہارے دلوں میں اپنے دوستوں کو بڑا کر کے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم مسلمان خوف کا شکار ہو جاؤ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تفسیر کی: "اللہ ہی مسلمانوں کا کفیل اور ضامن ہے تو مسلمانوں کو اللہ کا حکم شیطانی قوتوں سے ڈر کر چھوڑ نہیں دینا چاہیے، ڈرنا اللہ ہی سے چاہیے"(602)۔

وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾

"اور آپ کفر میں جلدی کرنے والوں کے لیے غمگین نہ ہوں وہ ذرہ برابر بھی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دی کہ آپ بارِ خاطر محسوس نہ فرمائیں اور نہ ہی کفار اور منافقین کی عجلت بازی جو وہ دوں فطرت لوگ کفر کے پھیلانے اور بڑھانے میں مچا رہے ہیں، مراد یہ ہے کہ وہ لوگ کفر میں انتہائی حریص ہو کر تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ نامراد اللہ کے دوستوں اور اللہ کے دین کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متحرک ہو رہا ہے کہ وہ ایسے کم ظرفوں کو آخرت میں کچھ بھی نہ دے۔

رحمتیں انسان کو تباہی سے بچاتی ہیں لیکن ڈھٹائی اور ضد کے ساتھ آگ میں چھلانگ لگا دینے والے جب خود سوزی ہی کو اپنا مقدر بنا لیتے ہیں تو پھر اللہ کا عذاب اور ناراضگی انہیں گھیر لیتی ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں کاموں کی منطقیت بیان کی ہے کہ مسلمانوں کو مسارعین فی الکفر کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، عجلت باز لوگ کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کو سنجیدہ لینے والے نہیں ہوتے، ان کا ہر فیصلہ غیر سنجیدہ اور کمزور ہوتا ہے۔ پائیدار منصوبہ بندی سے یہ لوگ محروم ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس فلسفہ کے قائل ہو جائیں کہ "چلو تم ادھر ہوا جدھر کی ہو" کچے لوگ ہوتے ہیں۔ آیت کی روحانیت مسلمانوں کو بہر حال یہ سبق دیتی ہے کہ کفر کی ٹیپ ٹاپ سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، ٹھوس منصوبہ بندی کے ساتھ اسلام کو پھیلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دنیا اور آخرت سب کچھ اللہ کے دوستوں کا ہے، اس قسم کی مولائی فکر ہی مسلمانوں کی ترقی کا راز بن سکتا ہے۔ اپنے گھر کی اینٹیں کافروں کی مسارعت کے سامنے خود بکھیر دینا دانائی نہیں ہوتی "نور اور رحمت" محبوب کے قدموں میں ہے۔

واللہ اعلم

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں(603):

یہ آیت یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی، اصل میں یہ لوگ حضور ﷺ کی لوگوں کو بشارتیں دیتے پھرتے تھے اور کوئی مصیبت پڑتی تو آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگتے لیکن جب سرکارِ ابد قرار مدینے میں جلوہ افروز ہوئے تو حسد و عناد میں گرفتار ہو گئے اور حضور ﷺ کی مخالفت کرنے لگے، یوں انہوں نے ایمان کی روشنی کو کفر کے اندھیروں سے بدل لیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 15 پر

میں اور علی ایک درخت سے ہیں

حافظ سخی احمد

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِعَلِيٍّ: يَا عَلِيُّ، النَّاسُ مِنْ شَجَرٍ شَتَّى، وَأَنَا وَأَنْتَ مِنْ شَجَرَةٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (وَجَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ تُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ) هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

''حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ فرماتے سنا کہ اے علی! لوگ مختلف درختوں (شجر) سے ہیں اور میں اور تم ایک ہی درخت (شجرۃ واحدۃ) سے ہیں۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے سورۃ الرعد کی آیت کی تلاوت کی ''اور زمین میں نوع بہ نوع ایک دوسرے سے ملے ہوئے کھیت ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں کچھ ایک ہی اصل سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے، ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے''۔

بیانِ روایت

اس روایت محبت کو امام حاکم نے المستدرک میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ روایت امام بخاری اور امام مسلم دونوں کی شرائط پر پورا اُترتی ہے مگر انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں اسے بیان فرمایا۔ امام سیوطی نے اپنی معروف تفسیر الدر المنثور میں، امام ثعلبی نے تفسیر ثعلبی میں اور امام قرطبی نے بھی اسے اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں بیان کیا ہے۔ نیز امام مغازلی نے اسے مناقب المغازلی میں روایت کیا ہے۔ درج بالا محدثین اور مفسرین کے علاوہ اہل سنت کے دیگر علماء بھی اس روایتِ حُسن وجمال کو اپنی اپنی کتب میں بیان کرتے رہے ہیں۔

اگر مزاج نازک پر فضیلت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت بوجھ پیدا کرے اور قلمِ گستاخ مائل بہ فتویٰ ٹھہرے تو یہ فتویٰ پہلے امام سیوطی، امام قرطبی، امام ثعلبی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام احمد بن حنبل پر صادر کرنے کی جرأت فرمائیں۔ شعلہ بیانی اور جذبۂ افتراقِ اُمت اضطراب میں مبتلا رکھے تو روایت مرفوع ومصدقہ کو موضوع وضعیف کہنے سے پہلے اتنا ضرور سوچ لیجیے گا کہ اس کی زد میں وہ امام سیوطی علیہ الرحمہ بھی آجائیں گے کہ جن کے بارے میں اہل سنت کے اسلاف کا نظریہ یہ رہا ہے کہ انہیں متعدد مرتبہ حالتِ بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔

روایت کو بیان کرنے والے اصحاب رسول

اس روایتِ فضیلتِ مولا علی المرتضیٰ کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا گیا۔ اس روایت شرف وکمال کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی بیان فرمایا اور اس سے ہم معنی روایت کو سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا گیا اور ہم مفہوم روایت کو حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی محدثین نے روایت کیا ہے۔

فرمانِ رسول ﷺ کی شرح آیتِ قرآن کی روشنی میں:

آقا کریم ﷺ نے اپنے فرمان مُبارک کو قرآن مجید کی روشنی میں واضح فرمایا کہ لوگ الگ الگ درختوں سے ہیں وہ ''غیر صنوان'' ہیں جبکہ میں اور علی ایک ہی درخت سے ''صنوان'' ہیں۔ اگرچہ یہ درخت قریب قریب بھی ہیں اور ایک ہی جگہ سے ان کو پانی بھی دیا گیا ہے مگر ان کے ذائقے جدا جدا ہیں۔ یہ اللہ رب العالمین وحدہ لاشریک لہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ کس درخت کے پھل میں وہ کیا اور کتنی رحمت رکھتا ہے مگر یاد رکھیے گا کہ آم کے درخت پر سیب نہیں اُگتا اور انگور کی بیل پر تربوز کا پھل نہیں آتا۔ یہ تو الگ الگ پھلوں کی بات ہے نیز ایک پھل کی بہت سے نسلیں اور قسمیں ہوتی ہے اور ایک درخت پر صرف اُسی نسل کا پھل لگ سکتا ہے مثلاً دسہری آم کے درخت پر سندھڑی آم نہیں لگ سکتا، اگرچہ دونوں ہی آم ہیں مگر دونوں کا تعلق آم کی مختلف اقسام سے ہے، اس لیے کہ وہ ''غیر صنوان'' ہیں۔ آقا کریم، حضور رؤوف الرحیم ﷺ نے فرمایا کہ میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں۔ ذائقہ تو بعد کی بات ہے پہلے یہ اچھی طرح جان لو کہ ہماری خلقت کو کسی اور پر قیاس نہیں کیا ہی جا سکتا۔

تخلیق انسان مدفن کی مٹی سے

ایک موقع پر آقائے رحمت ﷺ نے ایک قبر سے گزرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عن أبي سعيد الخدري قال مر النبي صلى الله عليه وآله وسلم بجنازة عند قبر فقال قبر من هذا فقالوا فلان الحبشي يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا اله الا الله سيق من أرضه وسمائه الى تربته التي منها خلق

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ کے بعد ایک قبر کے پاس سے گزرے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا: یہ کس کی قبر ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! فلاں حبشی کی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ کر فرمایا: اسے اس کی زمین اور آسمان سے اس مٹی میں لایا گیا، جس سے اس کی تخلیق کی گئی تھی''۔ (المستدرک)

اور امام عبدالرزاق اپنی مصنفہ میں بھی ایک رویت اسی عنوان کی لائے ہیں:

عن عكرمة مولى ابن عباس انه قال يدفن كل انسان في التربة التي خلق منها

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا ہے"۔

زیرِ مطالعہ فرمانِ رسول کریم ﷺ میں عنوانِ فضیلتِ علی المرتضیٰ زیادہ نکھر اور ابکھر سامنے آتا ہے کہ حضور سید الانبیاء والمرسلین آقا ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو کھیت قریب قریب بھی ہوتے ہیں اور قطعۂ زمین بھی ایک ہوتا ہے مگر اُس میں درخت الگ الگ نسلوں اور پھلوں کے لگے ہوتے ہیں۔ جن کے پھلوں میں اُس مٹی کا اثر ہوتا ہے مگر جو پھل ایک ہی درخت پر ہوں اُن کی مٹی بھی ایک ہوتی ہے، اُن کی جڑ بھی ایک ہی ہوتی ہے، اُن کی اصل بھی ایک ہی ہوتی ہے۔

میں اور علی ایک درخت سے ہیں
کھیت بھی ایک ہے، درخت بھی ایک ہے
جڑ بھی ایک ہے اور اصل بھی ایک ہے
ہم اولادِ ہاشم ہیں، ہم بنی عبد المطلب ہیں
ہم دونوں نے ہی گودِ ابوطالب میں پرورش پائی ہے
ہمارا خاندان، قبیلہ اور حتیٰ کہ گھر بھی ایک ہے
اور اوروں سے ہیں جب کہ میں اور علی تو ایک ہی ہیں
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے تو فرمایا:
کہ علی کا گوشت میرا گوشت ہے اور علی کا خون میرا خون ہے
کوئی نجف اشرف کو مدینۃ المنورہ سے جُدا نہ سمجھے
کہ مولا علی نجف اشرف میں ہو کر بھی مصطفیٰ کریم ﷺ سے قریب ہیں

اسی لیے تو مناقب مغازلی کی روایت کے الفاظ ہیں:

فلم أزل أنا وعلي في شيء واحد حتى افترقنا في صلب عبد المطلب

"میں اور علی ہمیشہ ایک ہی رہے یہاں تک کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی صُلب سے ہم جدا ہوئے۔"

مصطفیٰ ﷺ اور مرتضیٰ علیہ السلام ہمیشہ ایک ہی رہے۔ جس نے انہیں جُدا جانا، جُدا مانا وہ دہلیزِ رسول کریم ﷺ سے بے فیض ہی رہا۔

روحیں جمع شدہ لشکر تھیں

بخاری شریف میں کریم رسول ﷺ کا کریم فرمان ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: الأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ، وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ بخاری

"حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روحیں جمع شدہ لشکر تھیں، جن کی باہم جان پہچان ہوگئی ان کی (دنیا میں) الفت پیدا ہوگئی اور جو باہم مانوس نہ ہوئیں ان کا (دنیا میں) اختلاف ہوگیا"۔

جو روحیں عالمِ ارواح میں ایک دوسرے سے مانوس ہوگئیں ان کے درمیان الفت و محبت پیدا ہوگئی جو دُنیا میں آکر ظاہر بھی ہوئی۔ تمام غلامانِ رسول، اصحاب باوفا کتنے عظیم ہیں، آسمان کے فرشتے بھی اُن کی عظمتوں کو جھک جھک کر سلام پیش کرتے ہیں کہ یہ وہ عظیم نفوس قدسیہ ہیں جو اس دُنیا میں آنے سے پہلے بھی روحِ مصطفیٰ کریم ﷺ سے مانوس تھے اسی لیے اللہ رب العزت نے انہیں دُنیا میں صحبتِ رسول ﷺ کے لیے منتخب فرمایا۔

اب مقامِ حیرت ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی رسول اللہ ﷺ سے محبت اور رسول اللہ ﷺ کی اپنے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا عالم کیا ہوگا!!!

عالم ارواح میں بھی روحِ علی رضی اللہ عنہ میرے ساتھ تھی
میری تربیت اور نگاہِ فیض میں تھا
اوروں کی ارواح مانوس تھیں

مگر روحِ علی علیہ السلام میں فیضِ مصطفیٰ، نورِ مصطفیٰ، کمالِ مصطفیٰ، جمالِ مصطفیٰ، رنگِ مصطفیٰ، آہنگِ مصطفیٰ بلکہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ جاری و ساری تھی۔ دُنیا میں تشریف لائے تو وجود علی کا تھا مگر اُس وجود میں کمال سارے کا سارا مصطفیٰ ﷺ کا تھا۔ اب سمجھ میں آتا ہے کہ ولادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے آنکھیں اُس وقت تک کیوں نہیں کھولی تھیں جب تک لمسِ دستِ رسول کریم ﷺ کو پا نہیں لیا۔ کیونکہ روحِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہی ایسی بے مثل تھی کہ غیرتِ روحِ علی علیہ السلام نے گوارا ہی نہ کیا کہ ہزاروں سال جس مصطفیٰ ﷺ کی روحانی تربیت میں رہا ہوں اور ہزاروں سال جن کی ذات سے اس جہان سے پہلے بھی متصل رہا ہوں۔ اُن کے بغیر کسی اور طرف پہلی نظر اُٹھاؤں۔

طوبیٰ کا درخت بیتِ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم میں

قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

الذین آمنو او عملو الصلحت طوبی لھم و حسن ماب

"جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام انجام دیئے ان کے واسطے طوبیٰ، خوشحالی اور اچھا انجام ہے"۔ (الرعد)

امام ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ کلبی سے، کلبی نے ابی صالح سے اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:

طوبیٰ شجرۃ اصلھا فی دار علی فی الجنۃ و فی دار کل مومن فیھا غصن

"طوبیٰ جنت میں ایک درخت کا نام ہے جس کی جڑیں جنت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ہیں اور اس کی شاخیں جنت میں ہر مومن کے گھروں میں پھیلی ہوئی ہیں"۔

نیز ابن خاتم نے ابن سیرین سے روایت کی ہے جسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر الدر المنثور میں بیان کیا ہے کہ طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے جس کی جڑیں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہیں اور جنت میں کوئی ایسا گھر نہیں ہے جس میں اس درخت کی شاخوں میں سے ایک شاخ نہ ہو۔

مصطفیٰ ﷺ اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک ہی درخت سے ہیں

اور مؤمنوں کے لیے جنت میں بشارت "طوبیٰ" کی ہے کہ جس درخت کی جڑیں بیتِ علی علیہ السلام میں ہوں گی تو عقیدہ کا معاملہ نکھر کر واضح ہوگیا کہ جنت بھی اُسی کو ملے گی جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کی پاک دہلیز میسر آئے گی۔ مصطفیٰ کریم ﷺ کی رضا بھی اُسی کو نصیب ہوگی کہ جس کے دل میں پاک علی رضی اللہ عنہ کی سچی محبت ہوگی۔ طوبیٰ کا درخت اور اُس کا سایہ بھی اُسی کا میسر آئے گا کہ جس کی آنکھوں پاک سیدہ زہرا علیہا السلام کی حیا ہوگی اور حسنین کریمین کی غلامی اُس کے دل کی دھڑکنوں میں رچ بس جائے گی۔

(ایک باب میں ایک اور فرمانِ رسول کریم ﷺ ''انا و علی من نور واحد'' کی شرح توفیق رب العالمین سے کسی اور موقع پر بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ)

میلادِ رسول ﷺ کی بہار بہار گھڑیوں اور پُر مسرت لمحات میں ہمیں بھولنا نہیں چاہیے کہ رسول پاک ﷺ کی خوشی اہل بیت سے غلامی اور اصحاب رسول کے ادب میں ہے۔ اسی لائحہ دستور سے شیرازۂ اہل سنت کو پھر سے یکجا کیا جاسکتا ہے۔

اسد اللہ غالب بارگاہِ مرتضویت میں یوں عرض نیاز پیش کرتے ہیں:

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر
یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

''اے بے ہودہ باتیں لکھنے والے قلم! ان باتوں کو لاحول کہہ کر چھوڑ دے اے وہم اور وسوسہ کرنے والی طبیعت! تو یا علی کا وظیفہ کر تا رہ کہ یہ وہم اور وسوسہ دور ہو جائے''۔

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسل
قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

''کون علی؟ جو فیضِ خدا کا ظاہر کرنے والا ہے، جو حضرت محمد ﷺ کا جان و دل ہے، جو آلِ نبی کا قبلہ اور تمام اہلِ یقین کا کعبہ ہے''۔

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہاں گرمِ خرام
ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

''وہ عالمِ ایجاد کا سرمایہ (علی) جہاں چلتا پھرتا ہو، وہاں کی ہر کفِ خاک کرۂ زمین بن جائے۔ یعنی اس میں ایک دنیا آباد نظر آئے''۔

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اُس کا جس جا
وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

''یعنی جس جگہ اس کا نقش قدم اپنا جلوہ دکھا رہا ہو، وہ کفِ خاک دونوں جہان کی عزت و آبرو کی امانت دار ہے''۔

اللہ ربّ العالمین یہی رنگ حیات عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین

بقیہ: تبصرہ و تذکرہ

اس سے پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر میں جلدی کا بھانبڑ مچا رکھا ہے۔ یہ لوگ اللہ کو کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اب اس آیت میں اسی جملے کا تکرار ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان دے کر کفر لینے کا دھندا کر رہے ہیں وہ اللہ کو کوئی ضرر نہ دے سکیں گے۔ علامہ رازی نے تکرار کو تاکید کے معنوں میں لیا ہے گویا مسلمانوں کو یقین اور اعتماد کا خزانہ دے دیا گیا کہ وہ دھندے باز کافروں، منافقوں اور ظلمتوں کے عاشقوں سے ڈریں نہ، یہ اللہ کے دوستوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ ناری مخلوق ہے ان کا کوئی بیج اگ نہیں سکتا اور ان کی کوئی فصل محمود انجام تک نہیں پہنچ سکتی، حسد اور عناد نے انہیں اندر سے چاٹ کر ختم کر دیا ہے، یہ کھوکھلے لوگ ہیں۔

(594) التفسیر المنیر: وھبی ایضاً رازی ایضاً روح ایضاً ابن عاشور
(595) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات
(596) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً سید ابوالحسنات، حاشیہ جلالین
(597) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(598) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً ابن عاشور ایضاً سید ابوالحسنات ایضاً حاشیہ جلالین ایضاً رازی
(599) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً رشید رضا وغیرھم
(600) تفسیر القرآن: جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(601) معالم التنزیل: بغوی
(602) درالمنثور: سیوطی ایضاً طبری ایضاً زادالمسیر
(603) تفسیر کبیر: رازی

سالکین! طالبین اور محبین!!!

اعمال کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں:

1) صوری 2) عرفانی اور وجدانی 3) حقیقی 4) اور روحانی

اعمال اس وقت تک اعتبار نہیں پا سکتے جب تک ان کی صورت رسول کریم ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہو جیسے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نماز تم اس طرح پڑھو جیسے میں نماز پڑھتا ہوں''۔

گفتنی وناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب
نائس بیکرز اینڈ سویٹس ہاؤس

پارسی صحافی نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

ہمارے ایک سنگی ملک محمد شفیق نے انگریزی کتاب ''پھر حضرت علی آ گئے'' کے چار ابواب ہمیں بھیجے تا کہ اردو ترجمہ کیا جا سکے۔ یہ کتاب نہ تو کوئی مذہبی کتاب ہے اور نہ ہی مصنف کی ہر بات سے متفق ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ایک خودنوشت (آپ بیتی) ہے جسے ہندستانی پارسی صحافی ایف ڈی۔ کراکا نے تحریر کیا تھا۔ اس کتاب سے ہماری دلچسپی محض مصنف کی مولا علی کرم اللہ وجہہ سے عقیدت اور محبت ہے۔ لہٰذا ترجمہ اور مفہوم میں تمام غیر ضروری امور کو چھوڑ کر صرف مولا علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، اسے ہی ہم نے بیان کیا ہے۔ دراصل مصنف نے مولا کائنات کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا اور پھر اس کی باقی زندگی اس خواب کے حصار میں گزری یہ خواب اس نے 1954ء میں دیکھا تھا

مصنف لکھتا ہے کہ جب میری معاشی بقا کی جدوجہد اپنے عروج پر تھی اور میری مالیات بہت کم تھی، اس وقت میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ اپنے بیمار چچا کو ائیر پورٹ سے جب لے کر گھر پہنچا تو صبح کے دو بج رہے تھے اور میں بستر پر دراز ہو گیا۔

اس صبح کے اوائل میں میں نے ایک غیر معمولی خواب دیکھا۔ یہ لمبا، مسلسل اور ایک ترتیب میں میرے لیے بالکل عجیب تھا۔ میں نے پہلے بھی خواب دیکھے ہیں لیکن 6 اپریل 1954ء کی صبح جیسا خواب میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

مین خواب میں ایک دوست کے ساتھ ایک تنگ گلی میں چل رہا تھا۔ یہ ایک قدیم سی گلی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے حیدرآباد کے نظاموں کے پرانے چاؤ محلہ محل کے آس پاس ایسی گلی دیکھی ہے، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ اس گلی کی زمین کچی تھی، زمین خاک آلود تھی۔ بہت غریب لوگ اس میں چل رہے تھے۔ میں جس دوست کے ساتھ تھا، وہ حسین نامی ایک مسلمان تھا جو سفید ساٹن کاٹن کی پتلون کے ساتھ ایک چمکدار نیلے رنگ کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ میں سفید آدھی بازو کی قمیض میں اس کے ساتھ چل رہا تھا، یہ میرے معمول کے کام کے دن کے کپڑے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ خواب میں کپڑوں کی کوئی اہمیت تھی یا نہیں، لیکن ان کے رنگ اور ساخت کے علم سے ہی خواب کا آغاز ہوا تھا۔

حسین اور میں ہلکی پھلکی گپ شپ کر رہے تھے۔ ہمارے آس پاس لوگ تھے، راستے میں بے ترتیبی، ہماری رفتار کو کم کر رہی تھی۔ لوگ، تمام مرد، اسی سمت چل رہے تھے جس طرف ہم تھے۔ وہ بہت غریب تھے اس کا اندازہ ان کے پہننے والے سرمئی کپڑوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ کوئی اہم شخصیت ہمارے پیچھے آ رہی ہے۔ ہجوم میں ہلچل سی مچ گئی۔ حسین اور میں ایک طرف ہو گئے۔ ہمارا ارادہ اس اہم شخص کے گزرنے کا راستہ بنانا تھا جب کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔

خواب میں اس مقام پر حسین غائب ہو گیا۔ میرا دھیان اپنے سامنے والے منظر کی طرف گیا۔ آگے سب گھٹنے ٹیک کر دعائیں پڑھ رہے تھے۔ جوں جوں یہ شخص قریب آتا گیا، لوگ اس کا بہت زیادہ ہی احترام کر رہے تھے انسانی جسموں کا ایک سمندر تھا گھٹنے ٹیکے، ان لوگوں کی پیشانیاں سرمئی خاک کو چھو رہی تھیں۔ لوگوں کے اجسام ایک دوسرے کے قریب تر تھے، ان کے سر اسی موٹے سرمئی کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اچانک روشنی کی شعاعیں ایک بیم کی صورت میں گھٹنے ٹیکے ہوئے ہجوم پر پڑنا شروع ہوئیں اور یہ سب روشن ہو گیا اور میری حیرت میں، یہ روشنی ان جھکے ہوئے جسموں کے اوپر حرکت کرنے لگی۔ جیسے ہی روشنی چلی، جسموں میں ہلچل مچ گئی۔ ایک لمحے کے بعد میں نے زمین پر جھکے ہوئے مردوں کی گہری، اور دل دوز آہیں سنیں، جو میں نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھیں، "حضرت علی، حضرت علی" ان کی گہری آہیں درد سے نجات کا اشارہ دے رہی تھیں۔

روشنی اس وقت تک چلتی رہی جب تک وہ وہاں نہ پہنچی جہاں میں کھڑا تھا اور پھر میں نے ایک مضبوط جسم کے آدمی کو دیکھا۔ وہ دائیں طرف مڑ رہا تھا وہاں بھوسے کی چٹائی کا کھلنا سا تھا جس میں ایک تنگ سوراخ تھا۔ میں اس سے آگے کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ایک شعور تھا کہ یہ ایک مقدس جگہ ہے۔ جب وہ کھلنے کے قریب پہنچا تو اس نے بانس کے کھمبے کو پکڑنے کے لیے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا جس پر چٹائی چسپاں تھی۔ آہستہ قدموں کے ساتھ وہ زمین کے ایک ٹیلے پر چلا گیا جس کے ساتھ ساتھ پانی کی ایک تنگ ندی بہتی تھی۔ یہ خواب میں واضح طور پر نظر آنے والی ایک اور تفصیل تھی۔ یہ عجیب لگ رہا تھا کہ وہ اتنی چھوٹی رکاوٹ کو عبور کرنے میں بہت احتیاط سے کام لے رہا ہے۔

اس کے نپے تلے قدموں کی وجہ سے مجھے اس کے طاقتور بازوؤں کو دیکھنے کا موقع ملا وہ پہلوان کے بازو معلوم ہوتے تھے۔ اس نے جو لباس پہنا ہوا تھا وہ ڈھیلا ڈھالا تھا۔ اس کا رنگ نسواری براؤن تھا، بٹی ہوئی ریشم کی ایک ڈوری اس کی کمر کے گرد بندھی ہوئی تھی، جس کے ڈھیلے سرے لٹک رہے تھے۔ اس نے پیچھے سے عجیب سا سرپوش (عمامہ) پہنا ہوا تھا جس میں اس کی گردن کو ڈھانپنے کے لیے کپڑے کا ایک ٹکڑا لٹکا ہوا تھا۔ اس طرح اسکے بالوں کا پچھلا حصہ نظروں سے چھپا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگیں مضبوط اور عضلاتی تھیں۔ اس کی رنگت گندمی تھی جو عربوں کی طرح تھی۔ بھوسے کی چٹائی کے خلاء سے وہ اندر چلا گیا: یہ شخص

جس کا نام میں نے صرف مردوں کی آہوں سے سنا تھا، جو اس کی تعظیم کے لیے اس کے آگے جھکے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ لوگ جو الفاظ بول رہے ہیں ان میں ''حضرت'' کا مطلب ''ولی'' ہے اور "علی" ظاہر ہے ان کا ذاتی نام تھا لیکن میں نے یہ نام اس سے پہلے کبھی کسی سے بولتے ہوئے نہیں سنا تھا۔

وہاں مجھے بھوسے کی چٹائی سے آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی میں اسے دیکھ سکتا تھا خواب میں وقت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا لیکن احساس یہ تھا کہ کچھ وقت گزر گیا ہے۔ اب میں اکیلا ہی گلی کے ایک طرف کھڑا تھا اور میرے ارد گرد نا معلوم لوگ داخل ہو رہے تھے۔ اچانک ایک بار پھر روشنی چمکی لوگ جلدی سے اپنے ماتھے زمین کو چھوتے ہوئے دوبارہ جھک گئے۔ وہ پہلے کی طرح اسی مقدس شخصیت کی موجودگی سے آگاہ نظر آتے تھے۔ ایک بار پھر روشنی ان کی جھکی ہوئی کمر پر پڑی اور زمین پر سجدہ ریزوں کی طرف سے ایک بار پھر ایک گہری آہ نکلی۔ گویا زمین ہی سے آہ نکلی تھی اور پھر ایک طمانیت اور گہری فکر کے ساتھ وہی نام پھر بولا گیا، پہلے کی طرح دو مرتبہ ''حضرت علی، حضرت علیؑ''۔ یہ آہ میرے جسم کو اندر سے چیرتی ہوئی گزر رہی تھی۔

دروازے پر وہ کھڑا تھا۔ ہمارے درمیان گلی میں گھٹنے ٹیکے ہوئے لوگوں کی لاشیں تھیں۔ اس کا چہرہ. اس کی پگڑی کے ساتھ ململ کے چھوٹے کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ جس طرح اس کی گردن نظروں سے اوجھل تھی اسی طرح اس کا چہرہ بھی۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کپڑے کو ایک طرف ہٹا دیا تاکہ اپنا چہرہ مجھ پر ظاہر کر سکے لیکن مجھے ایک اندھی روشنی کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔ یہ سورج میں دیکھنے کے مترادف تھا۔ میں نے صبر کیا۔ میں نے اپنی نظر اس کے بے حجاب چہرے پر جمائی۔ پھر میں نے اسے صاف دیکھا۔ یہ تیس کی دہائی کے آخر یا چالیس کی دہائی کے اوائل میں کسی شخص کا چہرہ تھا۔ اس کی سیاہ داڑھی تھی، اس نے پوری دل جمعی سے میری طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ ہمارے درمیان کا فاصلہ ایک بازو کی لمبائی سے بہت زیادہ تھا لیکن جب میں نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ تک پہنچنے کی کوشش کی تو یہ فاصلہ سکڑ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے گھٹنے ٹیکنے والے غیر متحرک جسم میرے لیے راستہ بنانے کے لیے جدا ہو گئے ہوں۔ ہمارے درمیان کی جگہ اب صرف ایک بازو کی لمبائی تھی۔ اس حیرت انگیز واقعہ سے گھبرا کر میں نے اس کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا پھر نہایت نرمی اور پیار سے کھینچ کر اس نے مجھے اپنے دائیں طرف لا کھڑا کیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ہوا میں تحلیل ہو گیا ہوں۔

اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میری نبض حلق میں دھڑک رہی تھی میری سانس پھول رہی تھی اور پسینہ آ رہا تھا۔ میں نے اندھیرے میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، پھر اپنے ٹیبل لیمپ کو آن کیا۔ میری بیوی نے پوچھا کہ کیا میں ٹھیک ہوں؟

''ہاں''، میں نے کہا، ''لیکن میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے''۔

''صبح مجھے اس کے بارے میں بتاؤ''، اس نے اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا، اور پلٹ کر سو گئی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سگریٹ جلایا، اپنے خواب پر ایک بار پھر غور کیا۔ تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ میں اس کی کوئی تفصیل کھو نہ دوں۔ میں جانتا تھا کہ میں نے ایک غیر معمولی واقعہ کا تجربہ کیا ہے لیکن مجھے اس کا مطلب بہت کم معلوم تھا۔ جس چیز نے مجھے الجھن میں ڈالا وہ خواب میں اس شخص کا نام تھا، جو دونوں موقعوں پر گہری آہوں میں سنائی دیا" حضرت علی، حضرت علیؑ"۔ میں صبح کے آنے کا انتظار کرتا رہا، سورج نکلنے تک۔ کسی کو پریشان کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں سونا مائی (ایک پارسی خاتون جو کرا کا کی مربی اور استاد تھی) سے یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ میرے خواب کا کیا مطلب ہے۔

اس صبح سات بجے تک میں نے چائے کے کئی کپ پیے۔ سگریٹ اور چائے کا مقصد میرے اندرونی اعصابی ہیجان پر قابو پانا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وقت تیزی سے گزر جائے تاکہ میں اسے تفصیل سے بیان کر سکوں اور وہ مجھے تعبیر بتا سکے میں پلنگ کی میز پر رکھی کلائی کی گھڑی کو دیکھتا رہا۔ 7.45 پر میں نے ریسیور اٹھایا اور سونا مائی کا نمبر ڈائل کیا اس امید پر کہ اس کے گھر میں کوئی جاگ رہا ہو گا۔ سونا مائی عام طور پر کبھی خود ٹیلی فون نہیں اٹھاتی تھی لیکن اس صبح اس نے خود اٹھایا۔ اس کی آواز پر میری زبان بند ہو گئی۔ پھر میں نے کہا، ''مائی، یہ دوسو (میرے نام کا حصہ) ہے''۔

''ہاں بیٹا'' اس نے اطمینان سے جواب دیا ''بتاؤ''۔

کیا وہ پہلے سے ہی جانتی تھی کہ میں نے اتنی صبح اس کو فون کیوں کیا تھا؟ اس کی آواز نے میری کال کا مقصد جاننے میں جلدی نہیں کی۔

''میں نے ایک خواب دیکھا ہے، میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اتنی جلدی فون کیا''۔

''بتاؤ'' اس نے پھر سے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''تم نے کیا خواب دیکھا؟''

میں نے اسے پوری تفصیل سے گزرتے لمحہ بہ لمحہ حالات بتائے، یہاں تک کہ میں اس مقام پر آیا جب پہلی بار خواب میں لوگوں کی آہوں میں میں نے سنا تھا، ''حضرت علی، حضرت علیؑ''۔

اس پر وہ بڑی پُرجوش آواز میں بولی ''باوا آپ کے پاس آیا ہے؟''۔

''میں یہی جاننا چاہتا ہوں، یہ کون آدمی ہے جو خواب میں میرے پاس آیا تھا؟''

''وہ؟'' اس کی آواز تقریباً قہقہے سے گونج اٹھی''۔

بے وقوف لڑکے، تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم اتنے سالوں سے کس سے دعا مانگ رہے ہو؟''

''لیکن مائی، ہم نے ہمیشہ ''مشکل کشا'' کہا ہے، اسی طرح آپ نے ہمیں ان کا نام لینا سکھایا''۔

''مشکل کشا، مولا علی، حضرت علی، وہی ہے، اس نے آپ کے پاس حضرت علی بن کر آنے کا انتخاب کیا ہے۔ لیکن اب پورا خواب بتاؤ''۔ تو میں نے بتایا اس مقام تک کہ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھے اپنے سے قریب کھینچ لیا۔

''تمہیں نہیں پتا کہ یہ تمہارے لیے کتنا مبارک ہے"، مائی نے کہا، ''فی الحال اس خواب کا ذکر کسی سے مت کرنا''۔ اس نے کہا

''اپنی بیوی سے بھی نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ اسے ضرور بتا سکتے ہیں لیکن دوسروں کو نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب آپ خود جان لیں گے کہ آپ اس کے بارے میں بات کر سکتے ہیں۔ پھر آپ جس کو بھی بتانا چاہیں گے کہہ سکتے ہیں اور میں آج آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ یہ سب ایک بار پھر سننے کے لیے میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں جس پر میرے مولا علی کا ظہور ہوا ہے۔ وہ ان کے پاس خواب میں مولا علی بن کر آئے تھے۔ لوگ اسے مختلف طریقے سے پکارتے ہیں لیکن یہ وہی علی ہے، جو اسلام میں پیغمبر محمد (ﷺ) کے بعد سب سے بڑا نام ہے''۔ اس کے

ساتھ ہی اس نے ٹیلی فون بند کر دیا اور مجھے پہلے سے زیادہ پراسرار حالات میں چھوڑ دیا۔

اس کی کیا اہمیت تھی، میں نے خود سے پوچھا۔

حضرت علی نے اپنے شاگردوں کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ خدا نہیں ہیں۔ جب اس کے کچھ پیروکاروں نے اس کی نافرمانی کی اور اصرار کیا کہ وہی خدا ہے تو اس نے ان الفاظ کے بولنے والوں کو بتایا کہ ان کے الفاظ توہین آمیز ہیں۔ جب وہ اپنی بات پر اڑے رہے تو اس نے اپنی تلوار نکالی اور گستاخوں کے سر تن سے جدا کر دیے۔ کہا جاتا ہے کہ گیارہ آدمی اس کی نافرمانی پر اڑے رہے اور گیارہ کے سر کاٹے گئے لیکن یہ سب کچھ میں نے کئی سال بعد جانا جب اس کے بارے میں تفصیلات مجھ تک پہنچیں۔

حضرت علی خدا نہیں ہیں لیکن میرے لیے جنہوں نے برسوں سے ان کی عقیدت سے پیروی کی ہے، حالانکہ میں ایک پارسی ہوں اور مسلمان نہیں، وہ ایک طرز زندگی ہے اور جب میں نے اسے جینا شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ خود دین ہیں۔ کون سا مذہب؟ اس سوال کا کچھ دیر کے لیے کوئی جواب نہیں ہے کچھ مسلمانوں کے لیے وہ اسلام کا جوہر ہے، وہ میرے لیے تمام مذاہب ہیں۔

اگلے دن میں نے سونا مائی کو پھر فون کیا تا کہ اپنے خواب کو ایک بار پھر اس سے بیان کروں۔ وہ بہت خوش تھی۔

مجھے اپنے خواب کے مضمرات کو سمجھنے میں کافی وقت لگا، اس طاقت کے مکمل اثر کو محسوس کرنے میں جو اس مضبوط، حفاظتی ہاتھ کی پکڑ سے آئی تھی۔

سونا مائی نے مجھ سے کہا تھا کہ خواب کی تفصیلات نوٹ کرو اور انہیں اپنے پاس محفوظ رکھو۔ پہلے تو یہ ضروری معلوم ہوا لیکن جب میں اس کے بعد برسوں تک ان کا تذکرہ کرتا رہا تو وہ میری زندگی کا اس قدر حصہ بن گیا کہ شاید میں انہیں بھلا نہیں سکتا،

''گلی، میرے اردگرد داخل ہونے والے لوگ جو بعد میں دعاوں کے لیے جھک گئے، حضرت کا طریقہ۔ جان بوجھ کر دھیرے دھیرے قدموں کے ساتھ چلنا ، اس کا نسواری رنگ کا عربی لباس جس پر سونے کا چھوٹا سا نقش تھا، روشنی کی چمک ، اس کا چہرہ جسے اس نے میرے دیکھنے کے لیے نقاب ہٹایا تھا اور آخر کار جس طرح اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا''۔

پارسی ہونے کے ناطے یہ خواب میرے مذہب کے لیے اجنبی تھا۔ لیکن خواب میں مذہب کی کوئی تبدیلی نہیں تھی اور نہ ہی اس کا دین سے کوئی تعلق تھا۔ یہ ایک ایسے شخص سے میری پہلی ملاقات تھی جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، نہ کبھی جانتا تھا، نہ کبھی سنا تھا۔

نبی محمد (ﷺ) کے بعد، وہ اس مذہب میں سب سے اہم شخصیت تھے۔ وہ محمد کے فرسٹ کزن تھے اور ان کے داماد بھی تھے جنہوں نے پیغمبر کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی تھی لیکن یہ سب مجھے بعد کے سالوں میں معلوم ہوا تھا۔ خواب میں ان کا مجھ پر آنا ذاتی دورہ تھا۔

ہندوستان میں مذہب ہمیشہ سے ایک نازک موضوع رہا ہے۔ یہ آتش گیر بھی ہے، جس نے اکثر معمولی امور پر فسادات کو ہوا دی ہے۔ اس لیے سونا مائی کے مشورے کی وجہ سے، میں پہلے تو اپنے خواب کے بارے میں کسی سے بھی بات کرنے سے شرماتا تھا۔ بعد میں جب میں نے مذہبی ذہن رکھنے والے مسلمانوں اور درگاہوں کے سامنے اس واقعے کا ذکر کرنا شروع کیا تو انہوں نے مجھے شک کی نگاہ سے دیکھا اور اسے میرے تخیل کا افسانہ کہہ کر مسترد کر دیا۔

''تم مسلمان نہیں ہو'' بعض نے کہا، ''تو وہ تمہارے پاس کیوں آئے گا؟''

''مجھ سے مت پوچھو کیوں''، میں نے ایک اہم، اعلیٰ درجے کے مسلمان یا عربی کو جواب دیا۔ ''حضرت علی سے پوچھو'' ۔

حیدرآباد میں ایک پہاڑی ہے جسے مولا علی کہتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا میرے خواب کے ساتھ کوئی تعلق ضرور ہے۔ نظام کے دوسرے بیٹے شہزادہ معظم جاہ نے مجھے اس پہاڑی پر لے جانے کے لیے اپنی کریم کلر کی پیکارڈ کار اور ایک معاون، عیسائی لڑکا، جس کا نام ہنری لوشوٹز تھا۔ مجھے دیا

اس دن لنچ کرنے کے بعد۔ سہ پہر تین بجے، لوشوٹز اور میں مضافاتی علاقوں سے ہوتے ہوئے پہاڑی کے دامن میں گئے جہاں میں نے دیکھا کہ اوپر چڑھنے کے لیے چار سو پچانوے سیڑھیاں ہیں ہم چوٹی پر واقع چھوٹے سے مزار تک پہنچنے کے لیے آہستہ آہستہ کھڑی پہاڑی پر چل پڑے، راستے میں کئی بار سانس لینے کے لیے رکے۔ پرانے نظام کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ ایک بار بھی رکے بغیر اوپر چڑھتے تھے، جو اس کی عمر کے آدمی کے لیے قابل ذکر تھا۔

جب ہم اوپر پہنچے تو ہمارے چہرے لٹک گئے کیونکہ اس مقدس مقام کے دروازے پر ایک بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا: ''غیر مسلموں کو اس مقام سے آگے جانے کی اجازت نہیں ہے''۔ وہ دوپہر، دکن کے گرم مرتفع پر جس میں حیدرآباد واقع ہے، ایک اینگلو انڈین کے لیے جو ہنری اور ایک پارسی تھا، جو خود مولا علی کے لیے چار سو پچانوے سیڑھیاں چڑھ کر صرف یہ پڑھنے کے لیے آیا تھا ہمارے لیے مایوس کن تھا۔ پابندی کہ ہم مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکیں۔ نہ ہی کوئی نظر آیا جس سے ہم بحث کر سکتے۔

اچانک مزار کے اندر کچھ ہلچل سی ہوئی۔ ہم نے اپنی طرف قدموں کی آہٹ سنی۔ مسلمانوں کے ہر مقدس مزار کا ایک مجاور ہوتا ہے، اس کی حفاظت کے لیے۔ اسی طرح یہاں بھی تھا۔ مجاور گہری نیند سو رہا تھا جیسا کہ اس کی نیم وا آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ مزار کے دروازے پر آیا، بڑے بورڈ کے پاس کھڑا ہوا جس نے ہمارے داخلے کو روکا تھا اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے جھجک کر بورڈ کی طرف اشارہ کیا تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اس نے سر ہلایا جیسے مجھ سے کہے، ''میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں''، لیکن وہ مجھے اندر آنے کی دعوت دینے میں پر یقین تھا۔

ہنری لوشوٹز کا کیا ہوگا جو میرے ساتھ کھڑا تھا؟ وہ بھی اندر آ سکتا تھا، مجاور بولتا دکھائی نہیں دے رہا تھا، لیکن اشاروں سے بات سمجھا رہا تھا اس نے ہم دونوں سے ایک لفظ بھی نہیں بولا کیونکہ وہ ابھی تک نیم خوابیدہ حالت میں تھا۔ بے یقینی سی کیفیت میں ہم آہستہ سے چلتے ہوئے اندر چلے گئے، ہم پتھر کے فرش والے ایک چھوٹے سے چوک میں چلے گئے، جس کے چاروں طرف دیواریں تھیں، لیکن کھلے آسمان کے نیچے، جس کے آخر میں پھولوں کے ہاروں سے لپٹا ایک کالم تھا جو شدید گرمی میں سوکھ گئے تھے۔ مجاور ہمیں کالم کی طرف لے گیا اور ہم اس کے پاس کھڑے ہو گئے، گویا یہ اشارہ دے رہا تھا کہ ہم اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ ''اس کالم کا مطلب کیا ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''مولا علی یہاں نماز پڑھنے آئے تھے'' مجاور نے جواب دیا۔

''اس کالم کے پیچھے ایک پتھر پر اس کے ہاتھ کی ہتھیلی کا نشان ہے، یہاں آؤ، میں تمہیں دکھاتا ہوں''۔ اس نے مجھے کالم اور دیوار کے درمیان کی تنگ جگہ سے اس کے پیچھے جانے کو کہا جس میں پتھر موجود تھا، سیدھا تھا اور نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔

جونہی میں اس پتھر کے قریب گیا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اس پر رکھ دیا۔ میں واضح طور پر ایک آدمی کے ہاتھ کی شکل کو محسوس کر سکتا تھا۔ میرا ہاتھ اس پر رکھا ہوا تھا، کہ میں نے اچانک ایک دھڑکن سی محسوس کی اور ایک مضبوط دھڑکن کا احساس میرے ہاتھ میں دوڑتا ہوا محسوس ہوا۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرا دایاں ہاتھ جو حضرت علیؑ نے خواب میں اپنے ہاتھ میں دیا تھا وہ اب ان کے ہاتھ کو چھو رہا تھا۔ حضرت علی کی قربت نے سب سے پہلے اس عجیب و غریب طریقے سے اپنے آپ کو رجسٹر کیا۔

میرے بعد ہینری کو بھی اسی طرح پتھر میں نشان دکھایا گیا تھا۔ جب وہ باہر آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے کیا محسوس کیا ہے۔ ''پتھر ناہموار ہے''، اس نے کہا۔

''کیا تمہیں کوئی اور احساس ہوا؟'' میں نے پوچھا۔ ہنری نے نفی میں سر ہلایا۔

حضرت علیؑ نے کہاں نماز پڑھی تھی یا یہ پتھر کس پہاڑی سے لایا گیا تھا، میں نے نہیں پوچھا لیکن جب میں نے دیوار کے ایک دروازے سے نیچے کی وسیع سطح مرتفع پر نظر ڈالی تو میں نے اپنے ذہن کو برسوں پیچھے ہٹاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھیتوں کے اس پار آتا ہے، روشنی کی ایک چمک اس کے سامنے آتی ہے، راستے کو روشن کرتی ہے جب وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ صرف میرے تخیل کا کام ہے لیکن جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں بہت واضح طور پر خواب دیکھا تھا، وہ اتنا زندہ تھا، اتنا ایک شخص جسے میں جانتا ہوں، کسی ایسے شخص کو جسے میں پہچان سکتا ہوں اگر وہ دوبارہ مجھے ملے۔

پھر میں تختی کے سامنے والے کالم کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی کتاب (نظام) کے لیے دعا کی اور شکریہ ادا کیا۔

''آپ چاہتے تھے کہ میں یہ کتاب لکھوں۔ اس لیے میں اسے اسی طرح لکھ رہا ہوں جس طرح آپ چاہتے ہیں۔ باقی میں آپ پر چھوڑتا ہوں''۔ میں نے دل میں کہا

مجاور میرے قریب کھڑا تھا، ابھی تک آدھی نیند میں تھا، دیوار سے ٹیک لگائے اس کی پلکیں کھلتی اور بند ہو رہی تھیں۔

''جب ہم 7 بجے آئے تھے تو کیا تم سو رہے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''گہری نیند میں'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ میرا معمول کا آرام کا وقت ہے''۔

''معذرت''، میں نے کہا، ''کہ ہم نے آپ کو جگایا''۔

''تم نے نہیں''، مجاور نے اطمینان سے جواب دیا، ''مولا علی نے''۔

''اس نے تمہیں جگایا!''، میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں'' مجاور نے کہا۔ ''وہ اکثر مجھ سے بولتا ہے''۔

''اس نے کیا کہا؟''

''اس نے کہا، اٹھو، دروازے پر جاؤ''،

میں نے پوری توجہ سے سنا۔۔

''انہیں اندر آنے دو''، اس نے کہا۔ جب میں دروازے پر آیا اور دیکھا کہ آپ مسلمان نہیں ہیں، تو اس نے ایک بار پھر کہا، انہیں اندر آنے دو تو میں نے آپ سے اندر آنے کو کہا۔

''وہ تم سے یہ کیسے کہتا ہے؟''

''میرے کان میں، ایک آواز آتی ہے''۔

مجاور نے وضاحت کرتے ہوئے کہا، ''اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ ایک مزار پر دن رات کام کرنے والے ہم مجاوروں اور ہر مزار سے جڑی ہوئی روح القدس کے درمیان ایک وابستگی ہوتی ہے۔ یہ عظیم لوگ اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم صرف اطاعت کرتے ہیں، ہمارے پاس اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں''۔

''اگر وہ تمہیں کچھ نہ کہتا تو کیا ہوتا؟''

''کچھ نہیں'' اس نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ ''میں سویا رہتا''۔

میں نے ہنری سے کہا کہ ہمیں اب چلنا چاہیے اور اس کے فوراً بعد ہم سیڑھیاں اترنے لگے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ مغرب سے ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے کے ساتھ اب یہ ایک معمولی ٹھنڈی ہوا تھی

سیڑھیوں کے دامن میں میں نے ایک بار پھر حضرت علی کا شکریہ ادا کیا کہ مجھے اندر جانے دیا

اس کے فوراً بعد مجھے احساس ہو گیا کہ حضرت علی میری زندگی کے معاملات میں ہاتھ بٹانے لگے ہیں، جس کا رخ واضح طور پر بدل رہا ہے۔ یہ کسی بھی طرح سے آرام کی خوشگوار زندگی نہیں تھی۔ یہ اکثر میرے ایمان کی آزمائش اور امتحان کی زندگی بن گیا، ایک ایسا عقیدہ جس کے پاس اس کی حمایت کرنے کی کوئی منطق یا وجہ نہیں ہوتی۔ یہ محض اندھا یقین ہے جیسے سادہ لوح لوگ اس مقدس روح کی طاقت اور احسان پر ایمان رکھتے ہیں جس نے ان مردوں اور عورتوں کے لیے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، اپنی دعاؤں سے انسانی مصائب میں بہت زیادہ بہتری پیدا کی ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ تمام تقدیریں اس کی طاقتور دعاؤں سے تشکیل پاتی ہیں۔ یہ اس کی دعا ہے جو اگر آپ کی طرف سے کہی جائے تو اتنی طاقتور ہے، پھر بھی اس نے بارہا ان لوگوں پر زور دیا ہے جو اس کی اندھی تقلید کر رہے ہیں کہ اسے اعلیٰ ہستی ماننا گناہ ہوگا لیکن الوہیت کے ساتھ ایک زبردست قربت ظاہر ہے اور حضرت علیؑ سے قربت حتمی سچائی کی طرف ایک قدم ہے جس کا حصول تمام دینی زندگی کا ہدف ہے۔

کرنٹ (ہفت روزہ) میں سب کچھ ٹھیک سے کام نہیں ہو رہا تھا، اس ہفت روزہ کے اجرا میں حضرت علی نے میری مدد کی تھی۔ اس کمپنی کے چیئرمین سے پالیسی پر میرا اختلاف شروع ہو گیا تھا میرا نیا ہفتہ وار شائع کرنے کے لیے بورڈ آف ڈائریکٹر تشکیل دیا گیا تھا۔ وہ ایک وکیل تھا۔ ہم اسکول میں ایک دوسرے کو جانتے تھے لیکن ہم رابطے کھو چکے تھے۔ ہماری دوبارہ ملاقات اتفاقی تھی۔ ہمارا رابطہ ہائی کورٹ میں اس وقت ہوا جب میرا ایک کیس لڑا جا رہا تھا۔ بعد میں، وہ نئی کمپنی بنانے اور اس میں اپنا حصہ لگانے میں میری مدد کرنے کے لیے آگے آیا لیکن اب ایک پریشان کن دور تھا، کرنٹ سے متعلق معاملات میرے لیے پریشان کن تھے۔ میں پہلے ہی حکومت سے لڑ رہا تھا، کافی مالی دباؤ میں زندہ رہنے کے لیے لڑ رہا تھا۔ انتظامی تجربے کی کمی کی وجہ سے پیپر کو کئی بڑے جھٹکے ملے تھے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز میں نئے پیدا ہونے والے تناؤ سے میرے لیے زندگی مزید مشکل ہو گئی۔

اس سخت دور میں میں ایک بار اس قدر بددل ہو گیا کہ میں نے بابا (مولیٰ علی) سے کہا: ''آپ نے مجھے یہ پیپر شروع کرنے پر مجبور کیا، یہ آپ کا پیپر ہے، آپ کو جو اچھا لگتا ہے، آپ فیصلہ کریں''۔

کچھ وقت گزر گیا اور تعطل جاری رہا پیر کی سہ پہر میرا چیئرمین آیا،

''سرخ بتی آن کریں''، اس نے کہا، ''میں آپ سے پرائیویٹ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ میں نے اپنی لال بتی آن کی جس نے خود بخود دروازہ بند کر دیا اور اس

کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

''میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ میں کرنٹ میں مزید نہیں رہنا چاہتا'' اس نے کہا۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے جاری رکھا، ''حال ہی میں دو بہت ہی عجیب وغریب چیزیں ہوئی ہیں اور میں نے کرنٹ چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ میرے حصص کے لیے کسی بھی مناسب قیمت پر خریدار تلاش کریں اور میں دینے کے لیے تیار ہوں''۔ اس نے دوستانہ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

ہم نے مصافحہ کیا، اور پوچھا، ''کیا ہوا؟''

''میں آپ کو بتاؤں گا لیکن اس شرط پر کہ یہ کسی کو نہ بتایا جائے''۔ میں نے وعدہ کیا

اس نے مجھے بتایا: ''کچھ دن پہلے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں نے ایک بزرگ خاتون کو سفید ساڑھی میں لمبے سفید بالوں والی کو دیکھا۔ اس کے پیچھے تین داڑھی والے افراد لمبے سفید لباس میں ملبوس کھڑے تھے۔ اس خاتون نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم مجھے نہیں جانتے؟ تو جواب دیا کہ میں نے اسے نہیں پہچانا تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ تمہاری ماں ہے''۔

میں نے اپنی ماں کے نام کے ذکر پر اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک محسوس کی۔ اس تناظر میں میں جانتا تھا کہ لمبے سفید لباس والے تین آدمی کون ہو سکتے ہیں۔ لیکن میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں سنتا رہا۔

''پھر تمہاری ماں نے کہا، تم میرے بیٹے کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟'' جب میں نے احتجاج کیا کہ میں نہیں ہوں تو وہ ناراض نظر آئیں اور کہنے لگیں، اسے چھوڑ دو۔

اس کی کہانی سن کر مجھے بے چینی محسوس ہوئی۔ میں نے اپنی تکلیف کو دور کرنے کے لیے ہلکا سا اعصابی قہقہہ لگایا۔ پھر اس نے دوٹوک انداز میں کہا، ''تم سے میں لڑ سکتا ہوں۔ لیکن یہ!'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا، ''یہ ایک الگ معاملہ ہے، میں مانتا ہوں، اور بس اتنا ہی نہیں ہے۔ کل میں ریس کے بعد پونا سے ہوائی جہاز کے ذریعے واپس آ رہا تھا، تمام مسافر جہاز میں سوار ہو چکے تھے اور سیٹوں پر بیٹھتے ہی جہاز کی لائٹ چلی گئی، اندھیرے میں، میں نے ایک آواز سنی جو مجھ سے بولی، وہ ہندی میں بولا۔ (چیئرمین نے اپنی ریس کی کتاب اٹھا کر اندر ایک صفحے کی طرف پلٹا جس میں سے اس نے وہ نوٹ پڑھے جو اس نے سننے والے الفاظ کے لکھے تھے)۔

آواز نے کہا، ''وہ وقت آ گیا ہے جب آپ کا کرنٹ میں رہنا نہ تو آپ کے لیے مفید ہوگا اور نہ ہی اس پیپر کے لیے۔ اس لیے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ دوستانہ انداز میں چلے جائیں۔ آپ کے شیئرز۔ میں آپ کو آپ کے شیئرز سے گیارہ گنا زیادہ کمانے میں آپ کی مدد کروں گا۔ بیٹا یہ مشکل کشا کا آپ کو مشورہ ہے''۔ اس نے اپنی بات مکمل کی تو جہاز کی لائٹس دوبارہ روشن ہو گئیں۔

میں نے بالکل خاموشی سے اس عجیب کہانی کو سنا۔ میں بالکل گنگ ہو گیا تھا۔ پہلے ماں اور لمبے سفید لباس میں تین آدمی، اب اس کے نام کے ساتھ آواز۔

میں نے اس سے پوچھا، ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ شخص کون تھا جس کی آواز تم نے سنی؟'' اس نے دوبارہ اپنی ریس بک کا حوالہ دیا اور کہا، ''اس نے کہا کہ وہ مشکل تھا...''

''ہاں''، میں نے اسے روکا، ''لیکن تم جانتے ہو وہ کون ہے؟''

اس نے لاپرواہی سے کہا نہیں

''یہ حضرت علی ہیں، وہ شخص جو ایک بار خواب میں میرے پاس آیا تھا''۔ میں نے کہا

''ممکن ہے''، اس نے کہا

لیکن مجھے نہیں لگتا کہ اسے اس بات کا احساس تھا کہ اس واقعہ کا میرے لیے کتنا مطلب ہے۔

سونا مائی نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں ان کی موت کے بعد اپنی کوئی کتاب انہیں وقف کر دوں تو وہ بہت خوش ہوں گی۔ ''تمہاری موت کے بعد کیوں مائی؟'' میں نے جواب دیا۔ ''آپ کی زندگی میں کیوں نہیں؟''

''نہیں بیٹا۔۔۔ ابھی نہیں''، اس نے ہنستے ہوئے احتجاج کیا۔ ''لیکن میری موت کے بعد یہ مجھے بہت خوش کرے گا''۔

''شاندار مغل'' کتاب آپ کے لیے وقف ہو گی، میں نے اس کے احتجاج کو مسترد کرتے ہوئے کہا۔ ''سونا مائی نے ہی مجھے راستہ دکھایا اور میری کتب کی اشاعت میں ہمیشہ معاونت کی تھی''۔

اپنی کتاب کی اشاعت کے لیے لندن چلا گیا حالانکہ اشاعت کی تاریخ دو بار تبدیل ہوئی تھی۔ کتاب کے منظر عام پر آنے سے ایک رات پہلے میں دیر سے تھیٹر کے بعد کرزن سٹریٹ میں اپنے سروس اپارٹمنٹ میں واپس آیا۔ جیسے ہی میں سامنے کا دروازہ کھول رہا تھا، ایک فوری کیبل پر نظر پڑی یہ میرے لیے تھا اور ہندوستان سے تھا۔

مجھے اطلاع ملی کہ سونا مائی مر چکی ہے۔ وہ مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئی تھی۔ جو لوگ اس کے مرنے کے وقت اس کے قریب تھے انہوں نے مجھے بعد میں بتایا کہ اس نے اپنی موت سے چند لمحے پہلے کسی کو دیکھا تھا کیونکہ اس نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا، اپنا سر اٹھایا، اپنے بستر پر آگے جھک کر بولی ''ہاں، میں تیار ہوں۔ پھر اس نے اپنا سر گرا دیا، تکیے پر گرا اور روح سکون سے اس سے نکل گئی۔

مائی نے مجھے ایک بار کہا تھا کہ وہ جب چاہیں اس دنیا سے جا سکتی ہیں۔ کیا حضرت علی علیہ السلام اسے لینے آئے تھے؟ ہم کبھی نہیں جان پائیں گے۔

میری کتاب اگلے دن لندن میں ریلیز ہوئی جو ان کے نام وقف تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ یہ وقف ان کی موت کے بعد اس کی خواہش کے مطابق ظاہر ہوا نہ کہ ان کی زندگی میں، جیسا کہ میرا ارادہ تھا۔ یہ جولائی 1955 تھا یہ 1968ء کی بات ہے کہ میرے گردے کی پتھری کی وجہ سے مجھے ہسپتال جانا پڑا۔ 8 جولائی کو آپریشن کی تاریخ طے ہوئی اور 7 جولائی کو جبکہ ہم گاڑی میں سفر کر رہے تھے تو میں نے محسوس کیا کہ شاید میری بیوی میری اس بیماری کی وجہ سے پریشان ہے چنانچہ میں نے اس سے پوچھا ''کیوں پریشان ہو؟ مجھے کچھ نہیں ہوگا''۔

بیوی: ''مجھے معلوم ہے سب کچھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا''۔

میں: (اس پر اعتماد لہجے کو دیکھتے ہوئے) ''تم یہ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو''؟

بیوی: ''باوا نے مجھے بتایا ہے کہ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے''۔

اس کی اس بات نے مجھے چونکا دیا کیونکہ اس سے قبل آج تک اس نے ایسی بات کبھی نہ کی تھی

میں: ''کب باوا نے آپ سے کہا''۔

بیوی: ''آج جب میں پریر روم میں تھی میں نے چپکے چپکے دعا کرتے ہوئے کہا۔ باوا اس کا آپریشن ہو رہا ہے مہربانی کر کے اسے واپس مجھے دے دیں''۔ اس

وقت کمرے میں میرے علاوہ تو کوئی نہ تھا چنانچہ جب میں نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں تو میں نے ایک صاف آواز سنی۔ "تمہیں اس کی زندگی کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اس بیماری سے مکمل طور پر محفوظ رہے گا''۔

میں: کیا اس سے پہلے بھی، کبھی آپ کو ایسے بشارت دی گئی ہے؟

بیوی: نہیں! کبھی بھی نہیں اور اب میں بالکل فکر مند نہیں ہوں۔

اس سال کے آغاز ہی سے میرے دل میں تمنا مچل رہی تھی کہ مجھے مزار حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حاضری دینی ہے اور مجھے معلوم تھا کہ ان کا مزار نجف میں بغداد (عراق) کے قریب ہے۔ چنانچہ جونہی میرا زخم مندمل ہوا تو میں نے راتوں کو دعائیں شروع کیں اور نہایت لجاجت سے کہا" بابا! مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دیجیے" لیکن مجھے کوئی جواب یا اشارہ نہ مل سکا۔

ایرانی کونسل جنرل عباس نجم صاحب کا گھر ہماری گلی میں تھا ان سے ہماری علیک سلیک تھی ایک دن چائے پر دوران ملاقات انہوں نے ایران کا دورہ کرنے کی دعوت دی اور میں نے اس دعوت کو فوری قبول کرلیا کیونکہ میں نجف جانا چاہتا تھا۔ ایرانی سفیر نے کہا وہ ایران کے ساتھ ہی ہے چنانچہ ایران اور عراق کا اکٹھے دورہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔

عراق کے اندرونی حالات خراب ہونے کی وجہ سے کسی بھی غیر ملکی صحافی کو ویزا نہیں دیا جا رہا تھا چنانچہ جب میں نے عراقی کونسل جنرل سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ میں عراق سے اجازت طلب کروں گا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ تقریباً ناممکن ہے کہ کسی غیر ملکی صحافی کو عراقی ویزا مل سکے۔

پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ" میں کیوں نجف جانا چاہتا ہوں"

معصومانہ انداز میں، میں اٹھا اور بش شرٹ اٹھا کر اسے اپنے پیٹ کا زخم دکھایا اور کہا" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ٹھیک کیا ہے میں نجف میں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں''۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ" کونسلر حیران ہوا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام جانتا ہوں۔

"جی ہاں! حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نے دہرایا۔ وہ میری خواب میں آئے تھے کچھ چودہ سال قبل"

"لیکن تم مسلمان نہیں ہو۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تمہارے پاس کیوں آئیں گے؟"

"مجھے مت پوچھیں کیوں؟" میں نے جواباً کہا۔

عراقی کونسل جنرل "حماد" سے جب دوبارہ رابطہ کیا تو اس نے مجھے عجیب جواب دیا۔

"اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو وہاں دیکھنا چاہیں گے تو میری حکومت بھی آپ کو روک نہیں سکتی"

پھر اسے عراق کی طرف سے فوری پیغام موصول ہوا اور مجھے اجازت مل گئی۔

"تب میں سمجھ گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھے بلا رہے ہیں" اور اس وقت حماد نے کہا۔

"کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یقین رکھتا ہے اس معزز مہمان کا ہمیں احترام ہے"۔

"معزز مہمان" کے الفاظ مجھے بہت بھلے لگے۔

بغداد ایئر پورٹ پر مجھے ایک انگریز نے خوش آمدید کہا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ ایک لمبا سا عرب شخص اونچی آواز سے پکار رہا ہے جو الفاظ مجھے سمجھ آ رہے تھے وہ الفاظ تھے "خوراخاہ" خوراخاہ"۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میری طرف آیا پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا "ادھتر بمبئی" میں سمجھ گیا وہ مجھے ہی ڈھونڈ رہا تھا کہ "ایڈیٹر بمبئی" اور جو وہ نام پکار رہا تھا کرا کا کرا تھا یعنی میرا نام۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میں عراقی حکومت کا مہمان ہوں اور وہ دوران قیام میرا گائیڈ اور ترجمان ہوگا۔ پھر اس نے کہا کہ اگر آپ کو کوئی عجائب گھر، کوئی مقام دیکھنا چاہیں یا کوئی انٹرویو کرنا چاہیں تو مجھے بتا دینا میں سب انتظام کروں گا۔ میں نے اس کو کہا کہ "میں تو صرف ایک مقام دیکھنے آیا ہوں اور وہ ہے "نجف"۔ اس نے کہا کہ کوئی مسئلہ نہیں نجف یہاں سے صرف 180 کلومیٹر ہے لیکن آپ نجف کیوں جانا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دینا چاہتا ہوں"۔

"لیکن آپ مسلمان نہیں ہیں"۔

"درست ہے میں مسلمان نہیں ہوں"

"پھر آپ کیوں وہاں حاضر ہونا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا کہ "میں ایک بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے صحت یاب ہوا ہوں۔ لہٰذا میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آیا ہوں"

"ٹھیک ہے ہم کسی وقت وہاں جائیں گے" اس نے لاپرواہی سے کہا "میں انتظام کرلوں گا اس کے علاوہ کہاں آپ جانا چاہیں گے"

"میں صرف اور صرف نجف ہی جانا چاہتا ہوں" میں نے جواب دیا

عربی نے کچھ الجھن سی محسوس کرتے ہوئے مجھے دیکھا۔ تاہم ہم اس وقت تک ہوٹل پہنچ گئے تھے۔ ہوٹل میں کافی پیتے ہوئے عربی نے پھر سوال کر دیا" معذرت خواہ ہوں لیکن جاننا چاہتا ہوں کہ مسلمان نہ ہوتے ہوئے آپ نجف کیوں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔

میں نے اس کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا کہ" میں آپ کو بتاتا ہوں۔ لہٰذا میں نے چودہ سال قبل دیکھا جانے والے خواب کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا۔ کہ اس دن سے میری خواہش تھی کہ میں نجف جاؤں گا چنانچہ میں یہاں ہوں۔

"لیکن آپ ایک نامی گرامی صحافی ہیں میری حکومت نے بتایا تھا"۔

درست ہے لیکن میرا یہ دورہ محض "زیارت" ہے۔

طویل قامت عربی مزید پریشان ہو گیا اور بولا "اگر آپ مقصد صرف نجف جانے کا ہے تو پھر سب سے پہلے ہم یہی کام کرتے ہیں"۔

"کب؟" میں نے کہا۔

"لنچ کے بعد" اس نے کہا" بذریعہ کار ہم تقریباً ساڑھے تین گھنٹوں میں وہاں ہوں گے"۔

نجف کے سفر کے دوران ڈرائیور نجف اور واقعہ کربلا کے بارے میں بتاتا رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کی نجف میں قبر بننا وغیرہ کی تفصیل اس نے بتائی۔ اگرچہ ڈرائیور کی معلومات سے کہیں زیادہ کتب میں لکھا تھا۔

غروب آفتاب کے وقت ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار میں داخل ہوئے۔ سینکڑوں لوگ نماز ادا کر رہے تھے غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سالگرہ کی وجہ سے مزار کو سجایا گیا تھا۔ میرے جذبات میں تلاطم برپا ہو رہا تھا جب میرے عربی گائیڈ نے کہا:

"میرے پیچھے پیچھے چلتے آؤ اور کسی چیز کو چھونا نہیں" تو میرے جذبات مزید بھڑکنے لگے وہ مجھے پہلے ہی مطلع کر چکا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کو میں صرف باہر سے ہی دیکھ سکوں گا۔ لیکن کیسے ممکن تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھے اتنی دور سے بلا کر اپنے قریب

آنے نہ دیں گے۔ تاہم مجھ جیسے کہا گیا میں نے ویسے ہی کیا۔ پھر اچانک میرے گائیڈ کے ذہن میں خیال آیا اور مجھے مزار کے اندر لے جانے کیلئے تیار ہو گیا ہم نے یہاں پر اپنے جوتے اتار دیے جونہی ہم مزار کے اندر داخل ہوئے تمام بتیاں جل اٹھیں اور قبر پر لگے ہزاروں شیشوں میں لاکھوں روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ یہ خوبصورت منظر تھا اور گائیڈ کی ہدایات کی وجہ سے جو میرے دل میں پژمردگی سی پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا روشنیوں نے میرا استقبال کیا ہے اور ایک ایسا ہی روحانی وجد طاری ہوا جیسا اس وقت ہوا تھا جب میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی خواب میں دیکھا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں یہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعوت پر حاضر ہوا ہوں۔ چودہ برس گزرنے کے بعد آج میں ان کی قبر کے پاس کھڑا ہوں۔ مزار کے اردگرد ایک جنگلہ تھا۔ میری پوری کوشش تھی کہ میرا ہاتھ کسی جگہ کو مس نہ کر دے۔ ایک دفعہ تو مجھے دھکا لگا اور قریب تھا کہ میرا ہاتھ جنگلے کو جا لگے لیکن میرے گائیڈ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ بخور کی چھڑیاں جو میں اپنے ساتھ لایا تھا ان میں سے تین کو میں نے سلگایا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ اپنی فیملی، اپنی پیشہ ورانہ صحافت اپنے دوستوں اور پھر اپنے لیے دعا کی اور سب سے بڑھ کر میں نے شکریہ ادا کیا کہ وہ میری خواب میں آئے تھے اپنی دعا کے دوران میں نے اپنے آپ کو جنگلے سے دور رکھا لیکن میرا دل مغموم تھا کہ اتنے قرب کے باوجود میں چھو نہیں سکتا۔

پھر ایک عالم دین جس نے سرمئی رنگ کی بڑی دستار سر پر سجا رکھی تھی ہمارے قریب آیا اور عربی گائیڈ سے عربی میں کچھ گفتگو کی عربی گائیڈ نے مجھے کہا کہ یہ سیّد آپ کے لیے دعا کرنا چاہتا ہے میں نے رضا مندی میں سر کو ہلا دیا تو سیّد نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور عربی میں دعا پڑھنی شروع کی مجھے عربی نہیں آتی مگر پھر بھی محسوس کر رہا تھا کہ وہ میرے لیے میرے خاندان اور میرے صحافتی پیشہ کے حوالے سے دعا کر رہا ہے یہ دعا تقریباً تین منٹ تک جاری رہی میں صرف چند الفاظ ہی سمجھ سکا لیکن مجھے بہت اچھا لگا پھر سیّد نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا وہ مجھے جنگلے کے قریب لے گئے وہاں اس نے ایک جونیئر عالم دین کو بلایا اور اسے کچھ ہدایات دیں پھر اس نے بھی میرے لیے دعا شروع کی چند الفاظ کے بعد اس نے میری طرف دیکھا تو میرے گائیڈ نے مجھے کہا کہ وہ جو الفاظ کہہ رہا ہے اس کو آپ دہرائیں۔ عربی الفاظ نہ جانتے ہوئے بھی میں وہ الفاظ دہرا رہا تھا دعا کے آخر پر دونوں علماء نے ”ان شاء اللہ“ کہا پھر بڑے سیّد نے میرا ہاتھ پکڑا اور میری دو انگلیاں اس منقش جنگلے پر رکھ دیں اگرچہ میرے عربی گائیڈ نے مجھے جو ہدایات دیں تھیں یہ اس کے خلاف تھا اس دوران دو دفعہ مجھے دیکھتے ہوئے اس نے گائیڈ کو بتایا کہ اسے معلوم ہے میں کون ہوں شاید جس طرح حیدر آباد میں مولا علی رضی اللہ عنہ پہاڑی پر مجاور کو ہدایات ملی تھیں اسی طرح اس عالم دین کو بھی قبر سے اشارہ ملا ہو۔

اس وقت تک میرا دل لبریز ہو چکا تھا لیکن ذہن ماؤف تھا جو کچھ بھی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے آیا تھا وہ سب فراموش ہو گیا تھا میں نے احتراماً بابا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے لیے اپنے سر کو جھکایا اور قبر پر آخری نظر ڈالتے ہوئے ہم مزار سے باہر نکل آئے۔

”اب ہمیں واپس چلنا چاہیے“ عربی گائیڈ نے مجھے کہا۔

”نہیں! ابھی ہم واپس نہیں جائیں گے“ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خوبصورت مزار پر نظر ڈالتے ہوئے کہا:

’’میرا علی رضی اللہ عنہ“ جب سے خواب دیکھا ہے میں یونہی کہتا ہوں۔

تب عربی گائیڈ نے نے کہا ”پیپسی لوگ“ ظاہر ہے اس وقت ہم دونوں ایک دوسرے سے سوچ وفکر کے حوالے سے الگ تھے لہٰذا میں نے نفی میں جواب دیا احاطے میں کھڑے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ ”تم کہیں بھی جا سکتے ہو پیپسی پیئیں، کباب کھائیں، یا جو بھی تم چاہتے ہو کرو۔ مگر مجھے یہاں 20 منٹ کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔ میں دعا کرنا چاہتا ہوں۔

پھر میں مزار کی جانب متوجہ ہوا اور ہاتھ پھیلا کر دعا شروع کر دی:

’’بابا! تم نے مجھے بیوقوف بنایا مجھے یقین تھا کہ میں ایک فقیر کی قبر پر حاضر ہو رہا ہوں مگر اتنی شاندار قبر کا تو شاید کوئی شہنشاہ بھی نہیں سوچ سکتا“۔

نجف میں اس وقت غروب آفتاب ہو چکا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے عاجزی اور انکساری کی ضرورت ہے یہ دراصل روحانی عجز ہے۔ اس کا تعلق ظاہری سر وغیرہ جھکانے سے نہیں اس وقت جو قرب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محسوس کر رہا تھا وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے ایک بچہ اپنے والدین سے محبت کی بنا پر کرتا ہے میں ان کو ”باوا“ کہتا تھا جو کہ گجراتی لفظ ہے یہ مجھے اب مصنوعی سا لگ رہا تھا اور اب جبکہ میری خواب کی تعبیر میرے سامنے تھی اور یہاں کے لوگ مجھے بالکل اجنبی نہیں لگ رہے تھے تو میں نے عربی لفظ ”بابا“ پکارنا شروع کر دیا۔ عربی میں بابا والد کے لیے بولا جاتا ہے اب میں پہلے سے کہیں زیادہ ”بابا“ سے قرب محسوس کر رہا تھا اب میرے محسوسات میں یہ بات تھی کہ میں ان کی فیملی کا حصہ ہوں یہ ایک عجیب مگر خالص رشتہ تھا جس میں مذہب کی تبدیلی کا عنصر شامل نہیں تھا میں اسی طرح تھا جیسے پیدا ہوا تھا یعنی ایک پارسی۔

میں نے اپنے گائیڈ کے ذریعے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کے جنم دن کا صحیح وقت کیا ہے تو جواباً بتایا گیا آج ابھی، اسی وقت شروع ہو چکا ہے۔ نجف کا نورانی ماحول لیے ہوئے رات کو میں واپس بغداد پہنچ گیا میں کوشش کر رہا تھا کہ نجف کی ہر ایک جزیات کو نہ صرف جذب کر لوں بلکہ اس کے ساتھ تعبیر بھی وابستہ کروں۔ میں نے خیال کیا کہ دوبارہ جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ”بابا“ چاہتے تھے کہ میں اسی وقت عین اس کی سالگرہ کے موقع پر وہاں پہنچوں“ اور تمام تر پیچیدگیوں کے باوجود مجھے یہ موقع نصیب ہو گیا جو شاندار استقبال کا تصور مجھے ملا تھا کل دوبارہ جانے سے ضائع ہو جائے گا۔

اس کے بعد میرا سفر ایران کا تھا تہران پہنچ گیا یہاں میں نے محسوس کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو میرا تصور تھا ایرانی تصور بالکل مختلف تھا ایرانی تصور عیسائیت کی طرح تھا ”کمزور اور طولانی“ بہرحال میرے ذہن میں ”بابا“ کا نقش وہی تھا ایک طاقتور اور مضبوط انسان ایک پہلوان کا۔ جیسے پہلے میں بیان کر چکا ہوں۔

کراکا کو اپنے ملک میں جیل یاترا بھی کرنا پڑی جس پر پورا باب لکھا گیا ہے۔ وہاں مختلف تکالیف کے موقعہ پر وہ ”یا علی یا علی“ پکارتے رہتے اور بقول ان کے اسی نام کی وجہ سے ان کی مشکلات میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نورِ سیرت

علامہ ارشد جرمنی

ہم مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ہم ہر وقت روایتی مسلکی ابحاث میں الجھے رہتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس نبی کریم ﷺ نے اپنے اخلاق اور سیاست سے پوری دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا، ہم ان کی آمد کے مہینے کو میلاد منانے یا نہ منانے اور جلسے جلوس کرنے یا نہ کرنے کی لاحاصل بحث میں گزار دیتے ہیں۔ میلاد منانے کا مطلب نبی کریم ﷺ کی آمد پر خوشی کا اظہار ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کو نبی کریم ﷺ کے آنے کی خوشی نہ ہو۔ آپ طریقہ کار سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن خوشی کے اظہار سے اختلاف نہیں کر سکتے۔ خوشی کا انکار کر کے بدبختی کا طوق اپنے گلے میں نہ ڈالیں۔ آپ 12 ربیع الاول کو عید نہیں کہنا چاہتے تو نہ کہیں لیکن خوشی کا اظہار لازمی کریں۔ آپ 12 ربیع الاول کو خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہتے نہ کریں، آپ گیارہ ربیع الاول کو خوشی کا اظہار کر لیں آپ تیرہ ربیع الاول کو خوشی کا اظہار کر لیں۔ اس خوشی کا اظہار سال کے کسی بھی دن کر سکتے ہیں۔ آپ جلوس میں نہیں جانا چاہتے تو نہ جائیں آپ اکیلے بند کمرے میں باوضو، قبلہ رُو ہو کر بیٹھ جائیں، دو نفل پڑھیں نعرۂ تکبیر لگائیں، نعرۂ رسالت لگائیں اور کہیں اے اللہ! میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مجھے تیرے حبیب کے آنے کی بڑی خوشی ہے۔ آپ لائٹس اور جھنڈے نہیں لگانا چاہتے نہ لگائیں، روزہ رکھ لیں، کسی غریب کو کھانا کھلا دیں، درود شریف پڑھ لیں، کسی کی کوئی معاشرتی ضرورت پوری کر دیں۔ بس ایک کام نہ کریں فضول بحثوں میں پڑ کر اپنا اور باقی مسلمانوں کا وقت ضائع نہ کریں اور خوشی سے انکار نہ کریں۔

میلاد منانے والوں کی خدمت میں گزارش کہ میلاد ایسے منائیں کہ رسول کریم ﷺ ہم سے خوش ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوش اُس وقت ہوتے ہیں جب ہم ان کی کامل اطاعت اختیار کرتے ہیں۔ سورۂ احزاب کی آیت نمبر 21 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

’’بے شک تمہارے لیے بہترین نمونہ اللہ کے رسول ہی کی زندگی میں ہے‘‘۔

ایک انسان کی عملی زندگی اس بات کی گواہ ہوتی ہے کہ وہ کس کو اپنا رول ماڈل سمجھتا ہے کیونکہ انسان اسی کے افعال اپناتا ہے جسے وہ اچھا سمجھتا ہے۔ قرآن حکیم اس معاملہ میں ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ اے مومنو! تمہارا رول ماڈل رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا انسان رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے راہنمائی لے سکتا ہے۔ آیئے ہم بھی اپنی روزمرہ زندگی کو بہتر بنانے کے لیے سیرت نبوی ﷺ سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔

اللہ کے سامنے جھکنے کی اہمیت

روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولادت کے بعد سجدہ فرمایا اور قیامت والے دن شفاعت سے قبل بھی سجدہ فرمائیں گے۔

(شرح الزرقانی، صحیح بخاری: 3340)

اس کا مطلب ہے کہ بگڑی بنانے کے لیے سجدہ ضروری ہے۔ وہ شخص اللہ کی رحمت سے بہت دور ہے جس کی زندگی میں سجدے کا نور نہیں ہے۔ اس میلاد کے موقع پر اپنے آپ سے عہد کریں کہ آئندہ نماز نہیں چھوڑیں گے۔

وقت کی قدر و قیمت

نبی کریم ﷺ کے سونے، جاگنے اور روزمرہ کے معمولات کے لیے اوقات مقرر تھے۔ نبی کریم ﷺ نے منظم طریقے سے اپنی زندگی بسر فرمائی۔

ملا علی قاری نے ایک قول نقل کیا:

الوقت سیف قاطع

’’وقت کاٹنے والی تلوار ہے‘‘۔

اور دوسرا قول نقل کیا کہ

الوقت کالسیف ان لم تقطعه قطعک

’’وقت تلوار کی طرح ہے اگر تم اس کو نہیں کاٹو گے تو وہ تمہیں کاٹ دے گا‘‘۔

یعنی اگر تم نے اسے حسن عمل کے ساتھ نہ کاٹا تو وہ تمہیں بے کاری کے ساتھ کاٹ دے گا۔

(مرقاۃ المفاتیح)

نبی کریم ﷺ نے وقت کی قدر کرنا سکھایا۔ ہمارے کھانے کے اوقات مقرر نہیں۔ ہمارے سونے اور جاگنے کے اوقات مقرر نہیں۔ سوشل میڈیا کو کتنا وقت دینا چاہیے ہمیں معلوم نہیں۔ آئیں اس میلاد کے موقع پر اپنے آپ سے عہد کریں آئندہ ہم اپنی غیر منظم زندگی کو منظم کریں گے۔

پاکیزگی کی اہمیت

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی طہارت اور نظافت کا یہ عالم تھا کہ نبی علیہ السلام نے کبھی بھی کپڑوں میں اور بستر پر پیشاب نہیں کیا۔ (مدارج النبوۃ)

ڈپریشن کے اسباب میں سے ایک سبب پاکیزگی کا خیال نہ رکھنا ہے۔ پاکیزگی کا خیال رکھنے والے لوگ ڈپریشن ایسی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہمیں بھی طہارت اور نظافت کا بھرپور خیال رکھنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ تو بچپن کی عمر میں طہارت کا اتنا خیال فرماتے ہیں اور ہمارے بعض بھائی چالیس پچاس سال کی عمر میں بھی یہی عذر پیش کرتے نظر آتے ہیں کہ میرے کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے پڑ گئے تھے، کپڑے ناپاک ہیں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ دائیں طرف سے دودھ نوش

فرماتے بڑی کوشش کی کہ آپ بائیں طرف سے بھی پییں لیکن آپ نے بائیں طرف سے کبھی نہ پیا۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے نبی علیہ السلام نے دوسری طرف سے اس لیے نہ پیا تا کہ میں کسی کا حق مارنے والا نہ بن جاؤں۔

(مواہب لدنیہ)

ہمیں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری جائیداد میں ایسا مال تو نہیں جو کسی اور کا حق تھا۔اگر پہلے ایسا ہو چکا تو وہ مال اس کو واپس کریں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور اس میلاد کے موقع پر اپنے آپ سے عہد کریں کہ آئندہ کسی کا حق نہیں ماریں گے۔

تکریم انسانیت

اپنے سے چھوٹوں اور بڑوں کے مقام ومرتبہ کا لحاظ رکھنا رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت ہے۔

ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گزشتہ رات ایک سرکش جن اچانک میرے پاس آیا۔ وہ میری نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے سوچا کہ مسجد کے کسی ستون کے ساتھ اسے باندھ دوں تا کہ صبح کو تم سب بھی اسے دیکھو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آ گئی۔

رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي

"میرے پروردگار! مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے شایان شان نہ ہو"۔

(صحیح بخاری:461)

دوسرے لوگ اگرچہ عمر میں یا مرتبہ میں چھوٹے ہوں ان کی بات اور مقام ومرتبہ کی لاج رکھنا، سب سے بلند مقام و مرتبہ رکھنے والے رسول ﷺ کی مبارک سنت ہے۔اگر چھوٹوں کے مقام ومرتبہ کی لاج رکھنا سنت ہے تو پھر جو ہیں ہی بڑے لوگ ان کے مقام ومرتبہ کا لحاظ کرنا بطریق اولی ضروری امر ہے۔

بہت کم ایسا نظر آیا کہ پڑھے لکھے لوگوں کے ہاں دوسروں کے مقام ومرتبہ کا لحاظ رکھا جاتا ہو۔ وکلاء ہوں، ڈاکٹرز ہوں، سیاستدان ہوں یا علمائے کرام ہوں ہر بندہ اپنی فیلڈ کے دوسرے بندوں کا مقام ومرتبہ گھٹانا فرض منصبی تصور کرتا ہے۔ بے دلی سے دوسروں کی عزت کیسے کی جاتی ہے اس کا مشاہدہ تو ہم میں سے اکثر لوگوں نے کیا ہوگا، ہوسکتا ہے بعض لوگ خود بھی اس تجربہ سے گزرے ہوں۔کیا آپ نے کبھی اس حقیقت پر غور کیا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسی علیہ السلام تک ہم ہر نبی پر ایمان رکھتے ہیں لیکن کسی بھی نبی پر بے دلی سے ایمان نہیں رکھتے۔ کسی بھی نبی کا جب بھی نام آتا ہے تو ادب واحترام کے جذبات دل سے امنڈتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی صف کے ان نفوس قدسیہ بارے ہمیشہ ایسا کلام فرمایا جس سے ان کی قدر و شان میں اضافہ ہی ہوا۔اگر عوام بعض علمائے کرام کو بھی اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے وہ مارکیٹ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہیں تو اس میں ان علمائے کرام کی اپنی غلطی بھی ہے کہ وہ ہر وقت اپنی خلوتوں، جلوتوں، تقریروں اور تحریروں میں اپنی ہی صف کے دوسرے لوگوں کی عزت اچھالتے رہتے ہیں۔جو عزت کرتا نہیں اس کی عزت کی بھی نہیں جاتی۔

سیرت طیبہ اور ذریعہ معاش

پڑھ لکھ کر ریڑھی ہی لگانی تھی تو پڑھنے لکھنے کا کیا فائدہ؟ غربت اور بے روزگاری کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب ہمارا یہ رویہ بھی ہے کہ ہم لوگ تعلیم یافتہ انسان کو پھل، سبزی یا اخبار بیچنے کی اجازت نہیں دیتے۔ایک ایم اے پاس انسان ریڑھی پر امرود بیچنے کا حلال ذریعہ معاش صرف اس لیے اختیار نہیں کرسکتا کہ اس سے، اسی کی بے بنیاد اور خود ساختہ سماجی حیثیت (Status) داؤ پر لگ جاتی ہے۔یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تعلیم کا مقصد اچھی جاب کا حصول نہیں بلکہ اچھی شخصیت کا حصول ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه و اله و سلم قال: مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس پر آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم نے پوچھا کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! کبھی میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا"۔ (صحیح بخاری:2262)

اس کے علاوہ رسول کریم ﷺ نے تجارتی سفر بھی فرمائے۔ کیا بکریاں چرا کر نبی کریم ﷺ کی سماجی حیثیت (Status) پر کوئی حرف آیا؟ آج بھی مخلوقات میں سب سے بڑا سٹیٹس اگر کسی کا ہے تو وہ رسول کریم ﷺ کی ذات ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت اور آپ کے اقوال سے کہیں بھی، کسی بھی حلال رزق والے پیشے کی مذمت نہیں ملتی۔

ہمارے نزدیک وہ ایم اے پاس جو ریڑھی پر دال چاول بیچ کر حلال رزق سے اپنے بچوں کی پرورش کر رہا ہے، بہتر ہے ان تمام لوگوں سے جو بڑے بڑے عہدوں پر بیٹھ کر حرام کے پیسوں سے اپنے بچوں کا پیٹ پال رہے ہیں۔یاد رہے کوئی بھی پیشہ برا نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت ہمیں کسی بھی قسم کا پیشہ اختیار کرنے سے منع نہیں کرتی، نبی کریم ﷺ نے صرف حرام مال کی مذمت فرمائی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا

"اور کھاؤ اس سے جو حلال اور پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں"۔

(المائدہ:88)

آیئے! معاشرے کی اصلاح میں اپنا حصہ ڈالیے! کسی بھی حلال ذریعہ معاش کی مذمت نہ کریں، ناجائز کاموں کے خاتمہ اور بے روزگاری کے خاتمہ کے لیے اپنا رویہ سیرت رسول عربی ﷺ کے مطابق بنائیں۔

پیدل چلنے والوں کا خیال رکھنا

ایک روز حضور ﷺ بغیر پالان کے دراز گوش پر سوار قبا کی طرف تشریف لیے جا رہے تھے اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ پیدل تھے فرمایا اے ابو ہریرہ! میں تمہیں سوار کرلوں عرض کیا جیسے حضور ﷺ کی مرضی۔ فرمایا: سوار ہو جاؤ انہوں نے سوار ہونے کے لیے زقند لگائی مگر چنگل حضور ﷺ پر لگا اور دونوں زمین پر آ گئے پھر حضور ﷺ سوار ہوئے اور فرمایا: کیا تمہیں بھی سوار کر لوں عرض کی جیسے حضور ﷺ کی مرضی وہ پھر سوار ہونے کی قدرت نہ پا سکے اور حضور ﷺ سے چمٹ گئے اور دوبارہ پھر دونوں زمین پر آ گئے۔جب تیسری مرتبہ حضور ﷺ نے سوار ہونے کے لیے ان سے کہا تو وہ عرض کرنے لگے: قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اب میں نہیں چاہتا کہ حضور ﷺ کو تیسری مرتبہ سواری سے زمین پر لاؤں۔

(مدارج النبوۃ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

بقیہ: صفحہ نمبر 26 پر

حضور کا رہائشی انتظامات و مکانات اور نقشہ سازی میں مہارت

محمد بن علوی المالکی الحسینی

رسول اللہ ﷺ رہائش، گھروں اور مکانات کے نقشے بنانے میں خاص اہتمام فرماتے تھے اور آپ ﷺ کو اس فن میں خاصی معلومات حاصل تھیں اور آپ یہ جانتے تھے کہ سڑکوں، راہگیروں، پڑوسیوں اور مساجد کے حقوق کا تحفظ مکانوں کی تعمیر کے ذریعے کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ تعمیر مکانات کے سلسلے میں آپ حفظان صحت کا خاص خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ مکان کا نقشہ بناتے وقت جگہ کی مناسبت یا عدم مناسبت کو بھی ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ نبوی طرز تعمیر میں غسل خانوں کے لیے نہایت مناسب جگہ منتخب کی جاتی تھی۔ اسی طرح بازار تعمیر کرنے کے لیے بھی آپ باقاعدہ نقشہ بناتے اور مناسب جگہ تلاش کرتے۔ آپ کا یہ طریق تھا کہ تعمیرات کے کام کی خود نگرانی فرماتے اور موقع پر ہی ہدایات دیتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مکانات کے خاکے بنائے تو حضرت عثمان بن عفان کے لیے ان کے گھر کا نقشہ بنایا اور آپ ایک کھلی جگہ پر نکل کر فرمانے لگے یہاں غسل خانے کی جگہ یہ ہے اور وہیں پر غسل خانہ تعمیر کیا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو انجینئرنگ، فن تعمیر اور ہواؤں کے رخ کے متعلق کس قدر معلومات حاصل تھیں۔

سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے افواج کی چھاؤنی میں یہ حکم بھیجا کہ اعلان کردیا جائے جس نے کسی گھر کو تنگ کیا یا راستہ کاٹا اس کے لیے کوئی جہاد نہیں۔ جب لوگ گھروں کو تنگ بناتے اور راستہ کاٹتے تو ان کو سزا دی جاتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حسن ترتیب اور نظام کس قدر پسند فرماتے تھے۔ سفر کے دوران خیمے لگانے میں بھی ترتیب اور نظام کو ملحوظ رکھتے۔ چہ جائیکہ مستقل سکونت گاہوں کے سلسلے میں۔

آپ کا باقاعدہ حکم تھا کہ عمارات صحت کے اصولوں کے مطابق تعمیر کی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے پڑوسی کے حق کے بارے میں پوچھنے والے سے فرمایا اپنی عمارت اپنے پڑوسی کے مکان سے اونچی مت تعمیر کرو کہ اس طرح تم اس کی ہوا روک لوگے اور تم اس میں سے کچھ اپنی ہانڈی کی بو سے تنگ نہ کرو سوائے اس کے کہ تم اس میں سے کچھ اس کو بھجوا دو اور ایک روایت ہے کہ تم اس کے مکان تک ہوا کے جانے کو نہ روکو۔

آپ نے خود بازار تعمیر کرنے کے لیے جگہ کا انتخاب کیا۔ ہدایات دیں اور بنفس نفیس کام کی نگرانی فرمائی اور جب مارکیٹ مکمل ہوگئی تو آپ کو پسند آئی اور پاؤں زمین پر مار کر فرمایا: یہ تمہارا بہترین بازار ہے اب یہ کم نہ ہوگا۔

آپ پہلے قدیم بازار گئے پھر وہاں سے نئے بازار کی جانب لوٹ کر آپ نے لوگوں سے بات چیت کی اور انہیں نئی مارکیٹ کو آباد کرنے پر ابھارا۔

امور بازار کی جانب آپ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ دکانداروں کے احوال کی خود نگرانی کرتے۔ وہاں کی تمام سرگرمیوں سے باخبر رہتے اور بازار کی طرف کامل توجہ فرماتے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگ بازار سے ہٹ کر سواروں سے طعام خرید لیتے ہیں تو آپ نے ایسے افراد متعین کیے جو ایسا کرنے سے لوگوں کو باز رکھیں اور ایسا کرنے والوں کو سزا دیں۔

صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

عہد نبوی میں لوگ سوار پھیری والوں سے طعام خرید لیتے تھے اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے کارندے مقرر فرمائے جو انہیں مارکیٹ سے باہر خوردنی اشیاء کی خرید وفروخت سے منع کرتے تا وقتیکہ مال کو مارکیٹ میں منتقل نہ کردیا جاتا"۔

آپ نے سوار بیچنے والوں کے سامنے جانے سے روکا جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے اور شہری کو دیہاتی کے لیے مال خریدنے سے بھی منع فرمایا۔

آپ خود بازار تشریف لے جاتے، وہاں ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کرتے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ایک طعام فروش کے پاس گئے، آپ نے ہاتھ لگایا تو ہاتھ گیلا ہوگیا، آپ نے دریافت فرمایا، یہ کیا ہے؟ کہنے لگا: اس پر بارش پڑی ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تو نے اسے خود تر نہیں کیا؟ تا کہ لوگ اسے دیکھیں پھر آپ نے فرمایا:

"جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں" ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد وہاں کے بازار پر سعید بن سعید العاص کو اور بازار مدینہ پر حضرت علی و عمر رضی اللہ عنہما کو نگران مقرر فرمایا، اسی طرح بازار میں ایک وزن کرنے والے کو عدل اور فضل کی ہدایت کی۔

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ اہل بازار کے ایک وزن کرنے والے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ترازو کے پلڑے کو جھکا کر تولو یعنی کھجوریں
اس طرح تولو کہ پلڑا زیادتی سے ایک طرف
کو جھک جائے"۔

آپ اس بات کا انتظام فرماتے کہ مارکیٹ میں مال کی کثرت رہے تا کہ ایک تو اشیاء مہنگی نہ ہونے پائیں اور دوسرے صارف کو آسانی دستیاب ہوتی رہیں، اسی لیے آپ نے فرمایا: جو مال بازار میں لاتا ہے وہ خوش قسمت ہے اور جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ ملعون ہے، اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

آپ لوگوں کو ان پیشہ وروں سے متنبہ رہنے کی ہدایت کرتے جن کے بارے میں آپ کو جھوٹ بولنے اور ملاوٹ کرنے کا علم ہوجاتا، جیسا کہ فرمایا: رنگساز اور زرگر سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور آپ نے فتح مکہ کے موقع پر اسے بیان فرمایا، اسے احمد وغیرہ نے روایت کیا اور یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے۔

آپ لوگوں کو خرید وفروخت، تجارت، تلاش روزگار اور مختلف پیشے اختیار کرنے کے لیے بازاروں کی طرف جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔

ایک شخص فاقے کی شکایت لے کر آیا۔ آپ نے

اس سے فرمایا اس وادی میں جاؤ اور کوئی لکڑی کا ٹکڑا باقی نہ چھوڑو اور میرے پاس دس روز کے بعد آنا۔

سعد بن عائذ نے آپ کی خدمت میں قلت ملکیت کی شکایت کی۔ آپ نے اسے تجارت کا حکم دیا، وہ بازار گیا، قرظ نام کے درخت کے پتے خریدے اور فروخت کر ڈالے، نفع حاصل ہوا تو آپ سے ذکر کیا، آپ نے اسے تجارت سے منسلک رہنے کی تاکید کی۔

آپ بچوں کو بازار میں کوئی چیز بیچتے دیکھتے تو خوش ہو کر ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے اور انہیں مزید جرأت دلاتے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر کے پاس سے گزرے وہ چیزیں فروخت کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! اس کی خرید و فروخت میں برکت دے''۔ یا عامری کی روایت کے مطابق یوں فرمایا کہ اس کے سودا طے کرنے میں برکت عطا فرما۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بچے تھے اور بازار میں کام کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

معاملات بازار میں آپ کی دلچسپی لینے کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ آپ نے بازاروں میں خرید و فروخت کا کام کرنے والوں کو تجار کا نام دیا جب کہ اس سے پہلے انہیں سماسرہ کہا جاتا تھا۔

ابن ماجہ نے قیس ابن ابی عزارہ سے روایت کیا، ہم عہد نبوی میں سماسرہ کہلاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے تو ہمیں اس سے بہتر نام سے پکارتے ہوئے فرمایا: اے تاجروں کی قوم، طبرانی نے یہ اضافہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہمیں تاجر کے نام سے موسوم فرمایا۔ ترمذی نے اس حدیث کو باب التجار و تسمیۃ النبی ﷺ کے عنوان کے تحت بیان کیا۔

عرف عام میں تاجر، سمسار سے کہیں بڑھ کر با عزت ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ سماسرہ کا نام ٹیکس وصول کرنے والوں کے لیے بولا جاتا تھا یا اس لیے کہ یہ لفظ عہد رسول ﷺ میں عیب دار شخص کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

جہاں آپ کو مختلف معلومات میں کمال حاصل تھا۔ وہاں سلائی کے کام میں بھی خاصی دسترس رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ گھر کے کام کاج کرتے رہتے تھے اور زیادہ تر سلائی کا کام انجام فرماتے۔

ان کی معلومات عامہ سے متعلق ایک بات یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کے ناک کٹ جانے پر اسے سونے کی ناک لگوانے کا مشورہ دیا جیسا کہ ابوداؤد نے سنن میں روایت کیا کہ عرفہ بن سعد کا ناک جنگ کلاب میں کٹ گیا۔ اس نے چاندی کی ناک لگوائی جس میں بدبو پیدا ہو گئی۔ آپ نے اسے سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔

ترمذی نے سنن میں کہا کہ کئی اہل علم سے روایت ہے کہ انہوں نے سونے کے دانت لگوائے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے میں بدبو پیدا نہیں ہوتی۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے درخت اور سبزہ کاٹنے کو حرام قرار دینے کا اعلان فرمایا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! مگر اذخر کاٹنے کی اجازت عطا ہو کہ اسے ہمارے زرگر کام میں لاتے ہیں اور ہمارے گھروں کی چھتوں میں کام آتا ہے۔ آپ نے فرمایا سوائے اذخر کے اور اس طرح اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ کسی کو کسی صنعت میں ماہر دیکھتے تو اسے اس کام پر لگا دیتے اور اس کی اس قدر ہمت افزائی فرماتے کہ وہ شخص اپنے پیشے میں نام پیدا کر لیتا۔

اسی ضمن میں قیس بن طلق کا واقعہ ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران گارا بنانے میں ماہر پایا تو وہ کام انہی کو سونپ دیا اور فرمایا: گارے کا کام اسے دو کہ وہ اس کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اسی واقعہ کو خود قیس بن طلق نے یوں بیان کیا ہے:

''میں مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اور صحابہ کرام ان کے ساتھ تعمیر مسجد کا کام کر رہے تھے۔ مجھے گارا بنانے کا فن آتا تھا لہٰذا میں نے کدال اٹھائی اور گارا بنانے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے میری جانب دیکھتے ہوئے فرمایا: یہ حنفی گارا بنانے کا ماہر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ (قیس بن طلق) گارا بنانے میں تم سب سے بڑھ کر ہے''۔

ابن رشد کی البیان والتحصیل میں مالک سے اور ان سے کتانی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر پر کھڑے تھے کہ جیسے انہیں کوئی اینٹ غلط لگی ہوئی دکھائی دی تو اسے ٹھیک کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ بندہ کوئی کام کرے تو اسے بہتر اور پختہ انداز سے انجام دے''۔

بقیہ: میلاد النبی اور نور سیرت

اس واقعہ سے ہم تین اسباق سیکھ سکتے ہیں:

1۔ کبھی کسی پیدل چلنے والے کو اپنی گاڑی میں بیٹھا کر اس کو عزت دینی چاہیے

2۔ جب کسی کو عزت دیں تو پھر اس کی طرف سے ناگوار بات کو برداشت بھی کرنا چاہیے

3۔ جس کو عزت دی جا رہی ہے وہ اگر محسوس کرے کہ میری وجہ سے میرا محسن تکلیف میں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے محسن کو مزید تکلیف میں نہ ڈالے

دین خیر خواہی کا نام ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثل اور میری امت کی مثل ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی پھر اس میں کیڑے اور پتنگے گرنے لگے اور میں تمہاری کمر پکڑ کر تمہیں جہنم میں جانے سے روک رہا ہوں اور تم بے تامل اندھا دھند اس میں گرے پڑتے ہو''۔

(صحیح المسلم:5955)

اس مادیت زدہ معاشرے نے ہمیں جن تحائف سے نوازا ہے ان میں سے ایک تحفہ دوسروں سے لاتعلقی اور اظہار بیزاری بھی ہے۔ جس بندے سے ہمیں کوئی مادی فائدہ نظر نہیں آتا اس کے ساتھ تعلق رکھنا ہمارے نزدیک دین اور دنیا کی بربادی کے مترادف ہے۔ نفسا نفسی کا دور ہے، دوسروں کو خیر پہنچانے کا سوچنا تو دور کی بات ہے دوسروں سے فائدہ کیسے حاصل کیا جائے اسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے محنت ہو رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ باعث تخلیق کائنات ہیں، مخلوق میں سے کسی کے محتاج نہیں ہیں، مخلوقات میں سے جس کو جو ملتا ہے نبی کریم ﷺ کے صدقہ سے ملتا ہے ان تمام شانوں کے باوجود نبی کریم ﷺ لوگوں کو کمر سے پکڑ کر جہنم میں جانے سے روک رہے ہیں۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اس آیت کی صدائے دلنواز مسلم معاشرے کے ہر فرد کو اور خاص طور پر مبلغین کو دعوت فکر و عمل دے رہی ہے کہ کسی سے کوئی مادی فائدہ حاصل ہو رہا ہو یا نہ ہو رہا ہو اخلاص کے ساتھ جہنم کی طرف جانے والے لوگوں کو جہنم کی طرف جانے سے روکا جائے۔

حسنِ کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آصف بلال آصف

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اس قدر حسین بنایا ہے کہ انسان اس دلکش اور جاذبِ نظر ماحول میں بار بار گم ہو جاتا ہے۔۔۔۔

کبھی زمین کی دلفریب رعنائیاں اس کے دامن دل کو کھینچتی ہیں تو کبھی افلاک کی دلکش وسعتیں اسے مسحور کرتی ہیں۔۔۔۔ کبھی ہواؤں کی جاوداں اور جاں فزا کیفیتیں اس کے لیے راحتِ جان بنتی ہیں تو کبھی فضاؤں میں گونجنے والے نغماتِ حسن اس کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔۔۔

یہ کائناتِ آب و گل حسن و عشق کے ہنگاموں کا مرکز ہے۔۔۔۔

جس میں حسن، کبھی گلِ لالہ کی نرم و نازک پنکھڑیوں سے عیاں ہوتا ہے اور کبھی پھولوں کی دلفریب مہک سے۔۔۔۔

نغماتِ حسن کبھی آبشاروں کے ترنم میں سنائی دیتے ہیں اور کبھی دریاؤں اور نہروں کے سکوت میں۔۔۔۔

کہیں باغات کی دلکش رونقیں چہرۂ حسن کو بے نقاب کرتی ہیں اور کہیں صحراؤں کی خاموشیاں۔۔۔۔

کہیں سمندروں کا بہاؤ حسن میں ڈھلتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو کہیں سبزہ زاروں کا پھیلاؤ۔۔۔۔

الغرض ہر طرف حسن کی جلوہ نمائیاں ہیں اور نگاہ و دل خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

تخیلات بھی حسن سے سکون پاتے ہیں اور تصورات بھی اسی کے مشتاق ہیں۔۔۔۔

اہل دل، حسن کو کبھی جلوت میں تلاش کرتے ہیں اور کبھی خلوت میں۔۔۔۔

کوئی جلوہ حسن میں مست ہے اور کوئی تصور حسن میں بے خود۔۔۔۔

اس کارگاہِ حیات میں ہر کوئی حسن کا متلاشی ہے۔ کوئی ذوق و شوق کے مرحلے میں ہے تو کوئی جذب و کیف کے مقام پر۔۔۔۔

کوئی سوز و مستی میں ہے تو کوئی وجد و حال میں۔۔۔۔ لیکن شبستانِ عشق میں ہر کسی کو نورِ حسن ہی کی کوئی نہ کوئی شعاع میسر ہے۔۔۔۔

دل کہتا ہے کہ حسن کے یہ دل فریب جلوے، جو اس قدر کثرت سے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔۔۔۔ کہیں نہ کہیں ان کا منبع ضرور ہوگا جہاں سے سب کے سب جمالیاتی چشمے پھوٹ رہے ہیں۔۔۔۔

آنکھیں کہتی ہیں بے شک کہیں وہ آخری تصویرِ حسن بھی ہوگی جسے دیکھ کر جذبہ تسکین کو بھی سکون مل جائے۔۔۔۔

روح پکارتی ہے بلاشبہ کہیں وہ حریم ناز بھی ہوگا جہاں سب بے چینیاں ختم ہو جائیں اور راحتیں تکمیل کو پہنچ جائیں۔۔۔۔

اے راہِ عشق کے مسافر آ۔۔۔۔ اس حسن کی تلاش میں نکلیں۔۔۔۔

سنو کوہِ طور پر سے ایک عاشق کی آواز آ رہی ہے۔۔۔۔ فضائے طلب میں اس کی صدائے عشق بلند ہو رہی ہے۔۔۔۔

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْک۔۔۔۔

"اے میرے رب مجھے رویت سے نواز کہ دیکھوں میں تجھے"۔ (الاعراف 143)

نظارہ حسن کی طلب کرنے والے حضرت موسیٰ علیہا السلام ہیں۔۔۔۔ آپ کس حسن کو پکار رہے ہیں۔؟

اسی حسن کو جو حسنِ مطلق ہے۔۔۔۔ حسن کامل ہے۔۔۔۔ حسن حقیقت ہے۔۔۔۔ اور ہر حسن کی اصل ہے۔۔۔۔

آپ کو حریم ناز سے جواب ملتا ہے۔

قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ۔۔۔۔

"فرمایا۔۔۔۔ تم مجھے ہرگز دیکھ نہیں سکتے"۔ (الاعراف 143)

پھر اللہ تعالیٰ نے عشق کی بے تابی دیکھ کر اپنے حسن ذات کی بجائے حسن صفات کا ایک نقاب الٹا تو۔۔۔۔

"پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر اپنا جلوہ نور ڈالا تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے خود ہو کر گر پڑے"۔

(الاعراف 143)

اسی لیے تو روح بیتاب پکارنے لگی کہ اے حسن مطلق۔۔۔۔ بے شک تو ہی حسین و جمیل ہے اور تو حسن و جمال سے محبت کرتا ہے۔۔۔۔ لیکن آنکھیں ترس گئی ہیں کہ تیرے حسنِ کامل کا نظارہ کسی پیکرِ محسوس میں دکھائی دے۔۔۔۔

کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

ایک طرف یہ عالم کہ حسنِ صفات کا ایک جلوہ برداشت نہ ہوا اور دوسری طرف ایک ایسی ہستی مکرم بھی پیکرِ انسانی میں موجود ہے جو قابِ قوسین کے درجے پر فائز ہے۔۔

ہمارا رخ جدھر بھی ہو، ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے۔۔۔۔

اس بارگاہِ حیات میں اللہ تعالیٰ کے حسنِ کامل کی جلوہ گاہ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب مکرم حضرت محمد ﷺ ہیں۔۔۔۔

آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اللہ تعالیٰ کا آفتاب حسن۔۔۔۔ پورے شباب پر ہے۔۔۔۔

جب یہ حقیقت واضح ہو چکی تو آؤ اس حسنِ سراپا کی بات کریں۔۔۔۔

جس سے مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے۔۔۔۔

مرجھائی ہوئی روحوں کو تازگی ملتی ہے۔۔۔۔

اور بے سکون ذہنوں کو امن کی دولت میسر آتی ہے۔۔۔۔

اس بزمِ ہستی میں حضرت محمد ﷺ وہ مبارک و معتبر شخصیت ہیں۔۔۔۔۔

جن میں حسنِ صورت اور حسنِ سیرت کے تمام محاسن بدرجہ اتم سمو دیے گئے ہیں۔۔۔۔۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ عالم انسانیت میں سرورِ کائنات فخرِ موجودات نبی آخر الزماں ﷺ بحیثیت عبدِ کامل ظاہری و باطنی حسن و جمال کے اس مرتبہ کمال پر فائز ہیں جہاں سے ہر حسین کو خیراتِ حسن مل رہی ہے۔۔۔۔۔

حسن و جمال کے سب نقش و نگار آپ ﷺ کی صورتِ اقدس میں کچھ اس خوبی سے اکٹھے کر دیے گئے ہیں کہ ازل تا ابد کائنات میں ایسی کوئی اور مثال ملنا ہی ناممکن ہے۔۔۔۔۔

حضور سرور کونین کی ذات حسن و کمال کا سرچشمہ ہے کائنات حسن کا ذرہ ذرہ دہلیز مصطفی ﷺ کا ادنیٰ سا بھکاری ہے۔۔۔۔۔ رب کریم نے آپ ﷺ کو وہ جمالِ بے مثال عطا فرمایا ہے کہ اگر اس کا کامل ظہور ہو جاتا تو انسانی آنکھ اس کے جلووں کی تاب ہی نہ لا سکتی۔۔۔۔۔ صحابہ کرام نے آپ کے کمال حسن و جمال کو نہایت ہی خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک رات چاند پورے جوبن پر تھا اور ادھر حضور ﷺ بھی تشریف فرما تھے اس وقت آپ ﷺ سرخ دھاری دار چادر میں ملبوس تھے اس رات کبھی میں آپ ﷺ کے حسنِ طلعت پر نظر ڈالتا اور کبھی چمکتے ہوئے چاند پر لیکن میرے نزدیک حضور ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین لگ رہے تھے''۔

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے کوئی زلفوں والا شخص سرخ جوڑا پہنے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا''۔

☆ حضرت حلیمہ سعدیہ اپنی پہلی زیارت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''حضور ﷺ کو میں نے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے جگانا مناسب نہ سمجھا پس میں آہستہ سے ان کے قریب ہو گئی، میں نے اپنا ہاتھ ان کے سینہ مبارک پر رکھا۔ آپ ﷺ مسکرا کر ہنس پڑے اور آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے ایک نور نکلا جو آسمان کی بلندیوں میں پھیل گیا''۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضور نبی اکرم ﷺ مجموعی جسمانی حسن کے لحاظ سے یوں معلوم ہوتے تھے گویا چاندنی سے ڈھالے گئے ہیں''۔

☆ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایمان افروز قول پڑھیں اور دل کو سکون دیں۔۔۔۔۔

''حضور اکرم ﷺ کا حسن و جمال مکمل طور پر ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا اور اگر آقا کائنات ﷺ کا تمام حسن جمال ہم پر ظاہر کر دیا جاتا تو ہماری آنکھیں حضور ﷺ کا جلوہ کرنے سے قاصر رہتیں''۔

انسانی آنکھ کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا چہرہ منور دیکھ کر اپنی آنکھیں ہتھیلیوں سے ڈھانپ لیا کرتے تھے۔۔۔۔۔

☆ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں۔

''میں نے جب حضور ﷺ کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا تو اپنی ہتھیلی اپنی آنکھوں پر رکھ لی اس لیے کہ روحِ منور کی تابانیوں سے کہیں میں اپنی بینائی سے ہی محروم نہ ہو جاؤں''۔

☆ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے حسن کمال کو بڑے ہی دل پذیر انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ سے حسین تر میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی کبھی کسی ماں نے آپ ﷺ سے جمیل تر کو جنم دیا ہے''۔۔۔۔۔

آپ ﷺ کی تخلیق بے عیب ہے جیسے آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق آپ ﷺ کی صورت بنائی ہے۔

☆ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میرے والدِ ماجد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ زنانِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بعض انہیں دیکھ کر بے ہوش بھی ہو جاتے تھے لیکن کیا سبب ہے کہ آپ کو دیکھ کر ایسی کیفیت طاری نہیں ہوتی تھی۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے اللہ نے غیرت کی وجہ سے میرا جمال لوگوں سے مخفی رکھا ہے اگر وہ کما حقہ آشکار ہو جاتا تو لوگوں پر محویت و بے خودی کا عالم اس سے کہیں بڑھ کر طاری ہو جاتا جو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوتا تھا۔۔۔۔۔

بقول شاعر:

خدا کی غیرت نے ڈال رکھے ہیں تجھ پہ ستر ہزار پردے
جہاں میں لاکھوں ہی طور بنتے، جو اک بھی اٹھتا حجاب تیرا

بحیثیت مسلمان ہمارے ایمان کی بنیاد اس عقیدے پر استوار ہے کہ ہماری انفرادی اور اجتماعی بقا اور سلامتی کا راز محبت و غلامی رسول ﷺ میں پوشیدہ ہے۔۔۔۔۔

آپ ﷺ کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔۔۔۔۔

جس کے بغیر قصر ایمان کی تکمیل ممکن ہی نہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ کشتِ دیدہ و دل میں عشق رسول ﷺ کی شجرکاری کی جائے۔۔۔۔۔

جس کی آبیاری اطاعت و اتباع کے سرچشمے سے ہوتی رہے۔۔۔۔۔

تو ایمان کا شجر ثمر بار ہوگا۔۔۔۔۔

اور اس کی شاخ در شاخ نمو اور بالیدگی کا سامان ہوتا رہے گا۔۔۔۔۔

بزمِ ہستی میں محبتِ مصطفی ﷺ کا چراغ فروزاں کرنے سے نخلِ ایمان پھلے پھولے گا۔۔۔۔۔

نظریاتی و فکری پراگندگی کی فضا چھٹ جائے گی۔۔۔۔۔ اور دلِ عاشق پر محبت کا چاند طلوع ہو جائے گا۔۔۔۔۔

اس کائناتِ رنگ و بو کی افزائشِ حسن کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو چنا۔۔۔۔۔

اور آپ ﷺ کو آخری نبی الزماں اور تمام انبیاء کا سردار ہونے کا عہدہ دے کر مبعوث فرمایا۔۔۔۔۔

علامہ اقبال اس بارے میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

نہ ہو یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

محبوب سبحانی سیدنا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ الحسنی والحسینی

کو اکابر صوفیاء کرام کا نذرانہ عقیدت

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

شہنشاہ بغداد، پیران پیر محبوب سبحانی قطب ربانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی ولادت باسعادت یکم رمضان ۴۷۱ھ میں بارگاہ غوثیت میں جید جیلان میں ہوئی اور جس شب آپ کی ولادت ہوئی اس رات قصبہ جیلان میں جتنی حاملہ عورتوں نے بچوں کو جنا وہ سب کے سب لڑکے پیدا ہوئے اور یہی لڑکے آگے چل کر وقت کے کامل ولی بھی ہوئے. سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ مادرزاد ولی تھے آپ کے والد گرامی حضرت ابوصالح سید موسیٰ جنگی دوست نے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت کی شب مشاہدہ فرمایا کہ سرور کائنات منبع کمالات باعث تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئمۃ الہدیٰ اور اولیاء کرام ان کے گھر جلوہ افروز ہیں اور یہ فرمایا کہ اے ابوصالح اللہ نے تم کو ایسا فرزند عطا فرمایا کہ جو ولی ہے وہ میرا بیٹا ہے وہ میرا اور اللہ کا محبوب ہے اور عنقریب اس کی اولیاء اللہ اور اقطاب میں وہ شان ہوگی جو میری شان انبیاء اور مرسلین میں ہے

غوث اعظم درمیان اولیاء
چوں محمد درمیان انبیاء

حضرت ابوصالح موسیٰ جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں شہنشاہ دو عالم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام نے بشارت دی کہ تمام اولیاء کرام تمھارے بیٹے کے مطیع ہوں گے اور ان کی گردنوں پر ان کا قدم ہوگا۔

جس کا منبر بنی گردن اولیاء
اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

سیدنا حضرت غوث اعظم ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے گویا آپ شیر خواری کے عالم ہی میں روزہ دار تھے اور وقت افطار اپنی والدہ کا دودھ پیتے آپ کے والد ماجد کا نام ابو صالح سید موسیٰ جنگی دوست تھا جو اپنے وقت کے کامل ولی تھے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت صومعی بہت عبادت گزار خاتون تھیں حضور سیدنا غوث اعظم کے نانا حضرت عبداللہ صومعی اپنے وقت کے باکرامت ولی تھے آپ کی پرورش ابتداء ہی سے دینی ماحول میں ہوئی ابھی آپ چھوٹے تھے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا والد کے انتقال کے بعد آپ کی ابتدائی تربیت آپ کی والدہ نے فرمائی جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو علوم دینیہ کی تکمیل کے لیے بغداد تشریف لے گئے اور بقیہ ساری زندگی بغداد شریف میں بسر فرمائی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا جس دور میں ظہور ہوا یہ وہ دور تھا کہ ہر طرف فتنوں کا سیلاب تھا لوگ فسق و فجور، بدعات اور دیگر برائیوں میں مبتلا ہو چکے تھے سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ تھی کہ عالم اسلام کے دور دراز علاقوں تک معتزلہ فرقے کی ناپاک کوششوں سے عقل کے گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے جس سے فلسفہ یونان کی تاریکیاں ہر سمت پھیل رہی تھیں سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم حق بلند فرمایا اور اپنی سیرت و کردار اور کرامات سے ان فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلام کا احیاء فرمایا۔

آپ نے فلسفہ یونان کے خلاف اسلام کی برتری کو محض علمی اور عقلی دلائل سے ثابت نہیں کیا بلکہ کرامات اور تصرفات کی موسلہ دھار بارشوں سے عالم اسلام کے ذہنوں سے یونانی فلسفہ فکر کی تمام تاریکیوں کے داغ دھبے دھو دیے آپ کی برکات سے ظلمتوں کی تاریک رات چھٹنے لگی اور دین اپنی پوری تابانیوں سے جلوہ گر ہوا. ذہنوں میں اٹھنے والے یونانی وسوسے مٹ گئے اضطراب قلب جاتا رہا جس کسی پر بھی آپ کی نگاہ ولایت پڑی وہ توحید و ایمان کا قائل اور سراپا عشق و مستی بن گیا۔

یونانی فلسفہ سے جب کسی کا ذہن تاریک ہوجاتا ہے تو وہ ہر مسئلہ کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اس کا شافی و کافی جواب مباحثہ نہیں بلکہ اطمنیان قلب ہوتا ہے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے زمانے کو فلسفہ کا جواب علمی مشاہدہ اور خداداد صلاحیتوں اور تصرفات سے دیا ایک مرتبہ آپ مسئلہ تقدیر پر لوگوں کے سامنے وعظ فرما رہے تھے اور لوگوں کو بتا رہے تھے کہ مشیت الٰہی کے بغیر کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی ابھی آپ کا یہ موضوع جاری تھا کہ اسی دوران ایک خطرناک اژدھا نمودار ہوا مگر آپ اس سے ذرّہ برابر بھی خوف زدہ نہ ہوئے اور اپنی گفتگو کو جاری رکھا حتیٰ کہ وہ اژدھا آپ کے جسم کے گرد لپٹنا شروع ہوجاتا ہے لوگ اس خوفناک منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر آپ پر کسی بھی قسم کا خوف طاری نہیں اور اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھا آخر وہ اژدھا اپنا منہ آپ کے چہرہ مبارک کے سامنے لاتا ہے آپ استقامت کا پہاڑ تھے کسی طرح بھی جب آپ نے جنبش نہ کی کچھ دیر بعد وہ اژدھا نیچے اترنا شروع کردیتا ہے اور غائب ہوجاتا ہے جب آپ کا وعظ ختم ہوا لوگوں نے اس خوفناک واقعہ کی حکمت پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں چونکہ مسئلہ تقدیر پر بیان کر رہا تھا اور وہ اژدھا میرے وعظ کی عملی تشریح بن کر آیا تھا اگر اژدھا نہ آتا تو میرا وعظ محض دلائل تو ہوتے مگر اطمنیان قلب حاصل نہ ہوتا اور اللہ کے قادر مطلق ہونے پر دل نہ جمتا اس نے آکر عملی طور پر سمجھا دیا کہ واقعی خدا کی مشیت کے مقابلے میں بڑے سے بڑا اژدھا بھی بے ضرر ہے اور اللہ کے چاہے بغیر کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔

یہ وہ دور تھا کہ دین و مذہب کی پرکھ اور ایمان و عقائد کی جانچ کا معیار ناقص عقل کو بنا لیا گیا تھا اس عقل ناقص کی کسوٹی پر لوگ ذات الٰہی اور صفات الٰہی کا تعین کرتے اسی عقل کی کسوٹی پر آخرت کی گتھیاں جنت دوزخ کے معاملات سلجھاتے فتنہ معتزلہ کی وجہ سے یونانی فلسفہ نے عوام و خواص کو بری طرح جکڑ رکھا تھا سیدنا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ الٰہی کی کرامات تصرفات اور علمی مشاہدات کے سامنے کوئی بھی دم نہ مار

سکا بڑے سے بڑا فلسفی آپ کے تصرف کو دیکھتا تو دم بخود رہ جاتا اگر کوئی لا علاج مریض آپ کی خدمت میں آتا تو ہاتھ پھیرتے ہی وہ تندرست ہو جاتا کوئی اپاہج آتا تو صحیح سلامت ہو جاتا غرض یہ کہ دین حق کے خلاف جن فتنوں نے سر اٹھایا تھا یہ وہ فتنے تھے جسے اس وقت کے بڑے بڑے علماء وفضلا بھی نہ روک سکے اس دین اسلام کی صحیح سمت آپ نے بتائی پھر اہل دنیا نے دیکھا کہ آپ نے لوگوں کے دلوں سے چوں وچرا کی تاریکی نکال کر قلب وجگر کو از سر نو نور ایمان سے روشن اور تابندہ کر دیا برائیوں کا خاتمہ ہی نہیں کیا بلکہ دین کا بیڑہ پار لگا دیا اور محی الدین کا لقب پایا حقیقت یہ ہے کہ دین کو زندہ کرنے والے اس ولی کامل کا کوئی ثانی نہیں آپ کے دست حق پرست پر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا اور لاکھوں انسانوں نے توبہ کی اور تائب اسلام ہوئے آج بھی کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر آپ کی صدیاں بیت جانے کے بعد بھی حکومت ہے آج بھی آپ کے فیض کا دریا جاری وساری ہے آج بھی اہل دل آپ کی عظمتوں کے مداح ہیں آج بھی بادشاہ وقت آپ کے در کے بھکاری ہیں آج بھی محتاجوں کے لیے آپ کا در کھلا ہے آپ ہی وہ دین کو زندہ کرنے والے ہیں کہ جن کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آیا آپ نے جو فرمایا حق فرمایا آپ نے فرمایا کہ جس کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے میں اس مصیبت کو اس سے دور کر دوں گا اور جو کوئی کسی سختی میں میرا نام لے کر مجھے پکارے اسے کشائش دوں گا۔

شہنشاہ بغداد سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا اہل دین نے اسے سچ مانا آج تک مصائب وآلام کے مارے ہوئے آپ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں آپ کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بناتے ہیں صدیاں گزر گئیں وہ کون سا مسلمان ہے جو آپ کے دام زلف کا اسیر نہیں وہ کون ہے جو آپ کے لطف عام کا فقیر نہیں ان کا یا غوث کہہ کر پکارنا عام مسلمانوں کا ہی طریقہ نہیں بلکہ وقت کے مجددین، محدثین، صوفیائے کاملین اور تمام سلاسل طریقت کا جید مشائخ عظام وسلاطین سب آپ کے در کے بھکاری نظر آتے ہیں یہ حقیقت اٹل ہے کہ حضور غوث اعظم غوثیت کے اعلیٰ و بلند ترین مقام پر فائز ہیں جہاں کسی اور کی پہنچ ممکن نہیں ہے

امام المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سلطان اولیاء حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا غوث العالمین حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا حضرت بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مخدوم علی احمد صابری رحمۃ اللہ علیہ کلیری ہوں یا حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا امام اہل سنت الشاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ خواجگان قیوم زماں خواجہ محمد معصوم مویروی ہوں یا سلطان الذاکرین خواجہ الطاف حسین نقشبندی ہوں۔ ہر کوئی بارگاہ غوثیت میں اپنی گردن جھکائے آپ کا شیدا نظر آتا ہے ان پیران عظام اولیائے کرام کا بارگاہ غوثیت میں نذرانہ عقیدت کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کی عظمت بیان فرماتے ہوئے یوں فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو قطبیت کبریٰ اور ولایت عظمیٰ کا مرتبہ عطا فرمایا یہاں تک کہ تمام عالم کے فقہاء علماء طلباء اور فقراء کی توجہ آپ کے آستانے کی طرف ہوگئی حکمت ودانائی کے چشمے آپ کی زبان مبارک سے جاری ہو گئے اور عالم ملکوت سے عالم دنیا تک آپ کے کمالات وجلال کا شہرہ ہو گیا اور اللہ نے آپ کے ذریعے علامات قدرت وامارت ودلائل وبراہین کرامت آفتاب نصف النہار سے زیادہ واضح فرمائے جود وعطا کے خزانوں کی کنجیاں اور قدرت وتصرفات کی لگام میں آپ کے قبضہ اقتدار اور دست اختیار کے سپرد کیں تمام مخلوق کے قلوب کو آپ کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں کر دیا اور تمام اولیاء کرام کو آپ کے قدم مبارک کے سائے تلے دے دیا کیونکہ آپ اللہ کی طرف سے اس منصب کے لیے فائز کیے گئے تھے جیسا کہ خود آپ نے فرمایا کہ میرا یہ قدم اولیاء کی گردنوں پر ہے شیخ عبدالحق مزید فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے لوگ قطب ہیں تو یہ خلف صادق قطب الاقطاب ہیں۔ اگر دوسرے لوگ سلطان ہیں تو یہ خلف صادق شہنشاہ سلاطین ہیں۔

امام ربانی سیدنا حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ غوثیت میں یوں نذرانہ عقیدت کے پھول نچھاور کیے آپ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی راہ سے گزرنے والوں کے پیشوا ہیں گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قدم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر ہے اور سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زہرہ اور سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ وسیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بھی اسی مقام پر ان کے ساتھ شامل ہیں ان کے بعد یہ منصب بارہ اماموں تک پہنچتا رہا یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک آئی اور یہ مقام آپ کو مل گیا اب جس قدر فیض اور برکات تمام اقطاب اور اولیاء کرام کو پہنچتے ہیں وہ آپ ہی کے وسیلہ سے پہنچتے ہیں ان کے مرکز فیض کے بغیر ولایت کا منصب کسی کو نہیں مل سکتا۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سردار حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضور غوث اعظم کا بلند مرتبہ اور سب ولیوں پر ان کی برتری کا بیان یوں فرماتے ہیں کہ

بادشاہ ہر دوعالم شاہ عبدالقادر است

سلسلہ سہروردی کے ہند میں پیشوا کامل حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ولایت کے بارے یوں فرماتے ہیں کہ

دستگیر بے کساں وچارہ بے چارگاں
شیخ عبدالقادر است

خانوادۂ چشتیہ کے چشم چراغ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز چشتی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ غوثیت میں یوں عرض گزار ہیں کہ

یا قطب یا غوث اعظم یا ولی روشن ضمیر
بندہ ام تابندہ ام جز تو ندارم دستگیر

حضرت مخدوم صابر کلیری بارگاہ غوثیت میں یوں عرض گزار ہیں کہ

النہار من آمدم تو پیش تو سلطان عاشقان
ذات تو ہست قبلہ ایمان عاشقان

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ غوث الاعظم میں یوں خراج عقیدت پیش فرماتے ہیں کہ

قبلہ اہل صفا حضرت غوث الثقلین
دستگیر عہد جا حضرت غوث الثقلین

ہندوستان کے بے تاج بادشاہ نائب رسول غریب نواز سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ بارگاہ غوثیت میں اس طرح فریاد کرتے ہیں کہ

یا غوث معظم نور ہدیٰ مختار نبی مختار خدا
سلطان دوعالم قطب جلی
حیران زجلالت ارض و سماء

ترجمہ! یا غوث اعظم رضی اللہ عنہ آپ ہدایت کے نور اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ کے محبوب مقبول اور پسندیدہ دوجہاں میں بادشاہ بلند مرتبہ کے قطب ہیں اور زمین و آسمان آپ کی عظمت وشان پر حیران ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 39 پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تو اگر بخش دے رحمت سے کوئی دور نہیں

بحمدہٖ تعالیٰ ربیع النور کی صباحت میں کوشش تھی سورۃ الکہف کی تفسیر مکمل ہونے پر دعائے سپاس بھی رقم کردوں لیکن عزیزم مبشر نے روح فرسا سی خبر سنادی کہ حافظ برکات احمد کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنی ہے۔ متاعِ خوشی لٹ گئی۔ حافظ برکات احمد تو بچپن سے میرے پیار کرنے والوں میں شامل تھے، وہ مرضی کے مرید نہیں تھے، اللہ کی مرضی پانے کے لیے مرید تھے۔ نمازی، پرہیزگار، صحبت پابند اور سوموار کی محفل میں پابندی سے شرکت کرنے والے تھے۔ حفظ بڑی عمر میں کیا پہلا سبق بھی مجھ ہی سے یاد کیا اور تینتیس مصلّے سنانے کی عزت پائی۔ حافظ برکات احمد کی میت دیکھی ٹوٹ سا گیا لیکن یہ سوچ کر صبر کر لیا وہ زندگی بھی کیا زندگی ہے:

جس میں پنہاں نہ ہو خراشِ الم

غسل دینے کے بعد سر پر گھر والوں نے سیاہ عمامہ زیب تن کر دیا۔ اصل میں جب ضیاء الحق مرحوم نے مجھے برکات احمد کی مسجد میں تقریر پر پابندِ سلاسل کیا تو میں نے برکات سے سفید ٹوپی مستعار لی تھی اور اپنا سیاہ عمامہ اسے دے دیا تھا، اس نے اپنی موت پر پھر دہر میں آخر شگفتگی کا راز کھول ہی دیا۔ برکات کے تمام بھائیوں خصوصاً ابرار احمد خان، بچوں اور احباب کے لیے صبر جمیل کی دعا اور حافظ برکات احمد کے لیے دعائے مغفرت۔

آدمی کھل کے ہنس نہیں سکتا
غم نہ بخشے اگر پر پرواز

میں سمجھتا ہوں جانے والوں کی یادیں جو ٹھنڈا سا درد بخش دیتی ہیں ان کا احساس مٹانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

اللہ ذکر پر استقامت دے۔

آمین

سید ریاض حسین شاہ

لا یمکن الثنا کما کان حقہ

آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف آپ ﷺ کی شایانِ شان ممکن ہی نہیں

ماسٹر احسان الٰہی قصور

ایک حسین وجمیل ہستی جس میں زندگی کا جلال و جمال اپنی بھرپور رعنائیوں کے ساتھ جھلک رہا تھا۔ جس کی مقدس آغوش خوش بخت امت کے لیے تربیت گاہِ قلب ونظر ہے۔ ایک ایسی مسحور کن شخصیت جس کی شمشیر کے آئینے میں آنسو جھلکتے ہیں۔ جن کے سادہ الفاظ میں جادو کی تاثیر ہے۔ جس کی مٹھی میں سنگریزے بول اٹھتے ہیں۔ جس کے قدموں کی چاپ پر ماہتاب وآفتاب اور ستارے رقص کرتے ہیں۔ جس کے اشاروں پر زمانہ جھومتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو کمالاتِ باطنی کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری بھی اپنی شانِ عطا اور اپنے محبوب کے مقام اور مرتبہ کے مطابق عطا فرمایا تھا۔ حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے رسول معظم ﷺ کے حلیہ مبارک کے بارے میں استفسار کیا، آپ کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ کسی چیز کی حقیقت بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ توقع تھی کہ وہ حضور رسولِ رحمت ﷺ کے بارے میں ایسی چیزیں اور باتیں بیان کریں گے جن کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گا انہوں نے کہا کہ رسولِ کریم ﷺ لوگوں کی نگاہوں میں بڑے جلیل القدر اور عظیم الشان دکھائی دیتے تھے۔ حضور ﷺ کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند۔ کبھی میں چودھویں کے چاند کو دیکھتا اور کبھی حضور نورِ مجسم کے مبارک ومنور چہرے کو دیکھتا تو حضور ﷺ کا چہرہ مبارک زیادہ منور ہوتا۔ چھوٹے قد والے سے لانبے اور زیادہ طویل قد سے کم۔ چلتے تو سب سے نمایاں نظر آتے۔ سر مبارک بڑا تھا۔ گیسوئے مبارک زیادہ گھنگھریالے نہ تھے چمکدار اور سیاہ تھے۔ اگر موئے مبارک الجھ جاتے تو حضور سرکارِ عالم ﷺ مانگ نکال لیتے ورنہ آپ کے گیسو کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتے۔ کانوں کی لو تک آویزاں اور سجے رہتے۔ چہرے کا رنگ چمکتا اور دمکتا تھا، پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ ابرو مبارک باریک بھرے ہوئے لیکن باہم ملے ہوئے نہ تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو ناگواری کے وقت پھول جاتی۔ ناک مبارک اونچی تھی اور اس پر نور برس رہا ہوتا۔ داڑھی مبارک گھنی تھی، دونوں رخسار ہموار تھے، دہن مبارک کشادہ اور دندان مبارک چمکدار اور شاداب تھے۔ دندان مبارک کھلے تھے جیسے سفید موتیوں کی لڑی ہو۔ بالوں کا خط جو سینہ سے ناف تک چلا گیا تھا وہ باریک تھا، گردن مبارک یوں جیسے کسی چاندی کی گڑیا کی صاف گردن ہو، تمام اعضا معتدل تھے اور ان کا اعتدال آشکارا تھا۔ شکم اور سینہ مبارک ہموار تھا۔ سینہ مبارک کشادہ تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا، ہڈیوں کے جوڑ ضخیم، سینہ کی ہڈی اور ناف کے درمیان بالوں کا خط ملا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سینہ اور شکم بالوں سے صاف تھا، دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینہ کے اوپر والے حصے میں بال اگے ہوئے تھے، دونوں بازوؤں کی ہڈی لمبی تھی، ہاتھ مبارک کشادہ تھے، دونوں ہتھیلیاں پر گوشت تھیں اور دونوں پاؤں بھرے ہوئے تھے، تمام اندام ہموار تھے۔ دونوں پاؤں کا درمیانی حصہ اٹھا ہوا تھا۔ جب قدم اٹھاتے تو قوت سے اٹھاتے، رکھتے تو جما کر رکھتے، آہستہ خرام مگر تیز رفتار، چلیں تو جیسے زمین لپٹی اور بچھی جا رہی ہو، جب کسی کی طرف التفات فرماتے تو ہمہ تن ملتفت ہوتے۔ نگاہیں جھکی ہوئی ہوتیں۔ آپ ﷺ کی نظر زمین کی طرف طویل ہوتی تھی بنسبت آسمان کی طرف نگاہ کے، آپ کا دیکھنا گہرا مشاہدہ ہوا کرتا تھا، پسینہ جیسے چمکتے موتی، رخسار گویا دانہ انار نچوڑ دیا گیا ہو، ہاتھوں میں ایسی خوشبو اور ٹھنڈک گویا اسے عطار کے عطردان سے نکالا ہو، معطر و معنبر پسینہ۔ آپ ﷺ حسنِ تدبر سے اپنے صحابہ کو شاہراہِ ہدایت پر چلاتے، جس سے ملاقات فرماتے تو اسے پہلے خود سلام دیتے۔ (ضیاء النبی)

جس روز آپ کی ولادت با سعادت ہوئی اور حضرت سیدتنا آمنہ کے بدن سے نور پھوٹا تو بقول شیخ سعدی ''تزلزل درایوان کسریٰ فتاد'' دنیا میں ہل چل مچ گئی، دنیا کے بت اوندھے پڑ گئے اور آتش کدے سب کے سب آناً فاناً بجھ گئے، کسریٰ کے قصر کے کنگرے خود بخود گر گئے۔ ظلم، ناانصافی، جبر و استبداد کی گھٹائیں چھٹنے لگیں۔ اجالے ہی اجالے اور نور ہی نور ہر سمت بکھرنے لگا۔ روشنیوں کے ایسے ہالے لوگوں نے دیکھے کہ شام کے محلات اور سینکڑوں میلوں کی اشیاء نظر آنے لگیں اور آنکھیں چندھیا گئیں، عرش سج گیا، حور وغلمان اور ملائکہ نے خوشیوں کے شادیانے بجائے اور مبارکبادیں دیں اور عرش پر جشن بہاراں منایا گیا، آسمان کی کہکشائیں، ستارے اور سیارے، آفتاب اور ماہتاب سب ورطۂ حیرت میں گم ہو گئے کہ یہ لمعۂ نور ہستی کون ہے جس نے ہماری روشنیوں اور جگمگاہٹوں کو گہنا دیا۔ چرند پرند تمام حشرات الارض نے اپنی اپنی بولیوں میں رب ذوالجلال والاکرام کے حضور شکر گزاری کے نغمے اور ترانے الاپے، حق سچ کا بول بالا ہو گیا، جھوٹ، ظلم، ناانصافی، بربریت، اور منافقت ماتم کناں ہو کر اپنی موت آپ مر گئی۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور بے آسرا لوگوں کو پناہ گاہ میسر آ گئی۔ اس روز جننے والی ماؤں کے شکموں سے صرف بیٹے ہی پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ اتنے لطیف اور نفیس تھے کہ آپ کا سایہ تک زمین پر نہ پڑتا تھا۔ لیکن آپ ساری دنیا کے لیے سایہ اور ابر رحمت بن گئے۔ آپ ﷺ کے خوشبو خوشبو جسمِ اطہر و معطر پر زندگی بھر مکھی نہ بیٹھی۔ آپ ﷺ نے کبھی جمائی نہ لی۔ رسولِ معنبر ومعطر ﷺ کے پسینہ مبارک میں وہ خوشبو تھی کہ ساری دنیا کی خوشبوئیں مل کر بھی اس پسینہ

مبارک کے لمس کو نہ پہنچ سکیں۔ پانی میں لعاب دہن ملے تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا، خوشبودار اور لذیذ لگنے لگے، لعابِ دہن آنکھوں پر لگے تو اندھے بینا ہو جائیں، پتھر اور درخت بھی جھک جھک کر سلام کریں اور درود وسلام کے گجرے پیش کریں، حاجتِ ضروریہ کے لیے بیٹھیں تو اردگرد کی جھاڑیاں پردہ میں لے لیں۔ چلنے لگیں تو بدلیاں سایہ مہیا کر دیں۔ درخت کو آنے کا اشارہ کریں تو درخت جھومتا جھومتا قدموں میں آکر سلامی پیش کرے، لاغر اور بیمار بکریوں پر ہاتھ رکھ دیں تو وہ فربہ ہو جائیں اور ان کے تھنوں میں دودھ بھر جائے اور ختم ہونے میں نہ آئے۔ سورج کو اشارہ کریں تو وہ واپس پلٹ جائے اور چاند کو وہ حکم دیں تو دو ٹکڑے ہو جائے اور اشارہ کریں تو دوبارہ جڑ جائے۔ پانی میں ہاتھ ڈالیں تو انگلیوں سے چشمے جاری ہو جائیں، کھانے میں لعاب دہن ڈالیں تو چند مہمانوں کا کھانا سینکڑوں لوگ سیر ہو کر کھائیں اور پھر بھی بچ جائے۔ بقول شاعر تیرے اوصاف کا ایک باب بھی مکمل نہ ہوا۔ سمندر خشک ہوئے اور قلم ٹوٹ گئے یہی تو ہیں وہ محمد عربی ﷺ ہیں جن کی طبیعت کی روانی، لفظوں کے نکھار، فقروں کی جذالت، بردباری، قوتِ برداشت، گزارا اور صبر، جودوکرم، شجاعت، دلیری، حیا، عدل، پاکدامنی، عہد کی پابندی، صلہ رحمی، شفقت، رحم وکرم ومروت، کشادہ دلی، نرم خوئی کو مسلم وغیر مسلم تمام دنیا نے من وعن تسلیم کیا اور ان کے اوصافِ حمیدہ کے گرویدہ ہو گئے اور ان تمام کمالاتِ باطنی اور کمالات ظاہری کی عکاسی شاعرِ دربار رسالت مآب ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑے خوبصورت اور احسن انداز سے کی ہے۔

و احسن منک لم ترقط عینی
و اجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

"یا رسول اللہ ﷺ میری آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین کوئی دیکھا ہی نہیں اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر قسم کے عیبوں سے پاک پیدا کیے گئے ہیں جیسے آپ نے چاہا ایسے ہی پیدا کیے گئے" حضرت شیخ سعدی نے دربارِ رسالت معظم ومحتشم میں نذرانہ عقیدت ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلو علیہ و الہ

"وہ اپنے کمال کی بلندیوں کو پہنچے اور انہوں نے اپنے جمال سے تاریکیاں کافور کر دیں۔ ان کے اطوار پسندیدہ تھے۔ ان پر اور ان کی آل پر درود وسلام"۔

شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ ﷺ کی بارگاہ میں یوں مدحت سرا ہیں

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناءُ کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

"اے حسن والے انسانوں کے سردار، آپ کے رخِ روشن سے چاند چمک اٹھا، آپ کی تعریف وتوصیف آپ کی شان کے شایان کرنا ممکن ہی نہیں۔ بس قصہ مختصر یہ ہے کہ آپ خدا کے بعد ساری کائنات سے ارفع واعلیٰ ہیں"۔

الغرض رسولِ مکرم ومحترم ﷺ صورت اور سیرت کا ایک پیکر تھے۔ آپ کی ذاتِ اقدس ستودہ صفات میں دیگر تمام جلیل القدر پیغمبروں کی صفات یکجا کر دی گئی تھیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ہر مسلمان کو والیٔ کون ومکان، فخرِ موجودات احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا نامِ نامی اسمِ گرامی بھی نہایت ادب واحترام سے لینا ہماری زندگی کا مطمع نظر اور مقصدِ حیات ہونا ضروری ہے بقول شاعر:

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اور اس عظیم محترم ومکرم ہستی جس کے بارے میں اجماعِ امت ہے "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے ادب واحترام کا قرینہ بڑی بڑی اولوالعزم ہستیوں کے نقوشِ پا کی تقلید سے سیکھا جا سکتا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

امامِ اعظم ابوحنیفہ کا یہ عالم تھا کہ جب مدینہ شریف کی حدود میں داخل ہوتے تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ عجز وانکسار کی مجسم تصویر بن جاتے اور خالی پیٹ مدینہ شریف حاضر ہوتے اور وہاں کم سے کم کھاتے اور پیتے اور جب حاجاتِ ضروریہ ناگزیر ہو جاتی تو فوراً مدینہ شریف کی حدود سے باہر نکل آتے کہ اب ابوحنیفہ مدینہ شریف کی پاک سرزمین میں رہنے کے قابل نہیں رہا اور اس کی کیا مجال کہ حضور مدنی تاجدار ﷺ کے شہر میں گندگی کا باعث اور موجب بنے۔

ایک صوفی بزرگ حضرت واصف علی واصف فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا شرک حضور آقا علیہ السلام سے محبت میں کمی ہے۔

نبیوں کے تاجور، محبوب اکبر عزوجل، شہنشاہِ خوش خصال، پیکر حسن وجمال، دافع رنج وملال نے بگڑے ہوئے معاشرے کو چند سال میں راہ راست پر لا کر دنیا کا راہبر و راہنما بنا دیا۔ ہادیٔ برحق نے دنیا کو ایک دستور، منشور، ضابطۂ حیات اور آئین دیا جو قیامت تک کے لیے ہمارے لیے منزلِ عظمت وعزیمت، کامیابی اور کامرانی کا نشان ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

آخر میں پیرومرشد، ولیٔ نعمت حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم کی "میلاد النبی ﷺ کی سنہری گھڑیاں" کے عنوان سے ایک تحریر سے امتِ مسلمہ کے نام پیغام کی صورت میں اقتباسات قارئین کرام کی نذر کرنا چاہوں گا جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور باعثِ تقلید ہیں۔

آپ رقمطراز ہیں یہ کتنی عجیب بات ہے وہ لوگ جن کی زندگی کے سارے گوشے مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے اٹے پڑے تھے۔ رب کریم نے خوشیوں کے سارے انداز، سارے لہجے، ساری لطافتیں اور ساری برکتیں اس قوم کے نام کر دیں اور کفر گھر سے میلاد نبوی کی خوشیاں سدا مسرتوں کا جلی عنوان بن گئیں۔ غور سے دیکھو ایک عورت بھاگی بھاگی اپنے مالک ابولہب کو کہتی ہے یہاں آپ کیا کر رہے ہیں؟ دوڑیے دیکھیے آپ کے بھائی عبداللہ کو دینے والے نے کتنا خوبصورت بیٹا عطا کیا ہے۔ ابولہب نے خوشی کی یہ خبر سن کر اپنی کنیز ثوبیہ کو آزاد کرنے کا اعلان کر دیا ولادتِ نبوی کا یہ پہلا انسانی اعزاز کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نسوانیت کو آزاد اور باوقار کر دیا۔

بقیہ: صفحہ 38 پر

شیخ اکبر ابن عربی کے مختصر حالات

غلام وارث شاہد عبیدی

شیخ محی الدین ابوبکر محمد ابن عربی بن علی الطائی الحاتمی الاندلسی۔علاوہ ازیں ابن افلاطون اور اندلس میں ابن سراقتہ کی کنیت سے معروف رہے،مغرب میں ابن العربی اور مشرق میں ابن عربی کے نام سے مشہور ہیں۔آپ کے بہت سے القاب ہیں مگر مقلدوں اور ارادت مندوں میں ایک ہی لقب سے زیادہ مشہور و معروف ہے الشیخ الاکبر بلاشبہ یہ لقب اپنی تمام تر معنویت کے ساتھ ان کو زیبا ہے۔

آپ دین کے بڑے عالم اور امام العلماء تھے،فقہ میں بھی نہایت ہی دسترس تھی،حدیث کی بھی سند حاصل فرمائی،کلام اور منطق و فلسفہ میں ید طولی رکھتے تھے،تصوف کے فن کی تدوین میں مربی العارفین،سلطان العارفین،امام العارفین وغیرہ کے خطابات رکھتے تھے،علم حقائق واسرار میں بطرز خاص کئی اصطلاحات کے موجد ہیں،لاکھوں عارفین آپ کے بحر المعانی وحقائق سے سیراب ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں اور یوں ہی تاقیامت ہوتے رہیں گے ان شاء اللہ عزوجل۔

ولادت شریف

حضرت شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ کے والد محترم علی بن محمد عبد اللہ کو کوئی اولاد نہ تھی۔آپ نے بغداد جا کر حضرت غوث الاعظم دستگیر علیہ الرحمتہ سے اپنا ماجرا سنایا،آپ نے فرمایا کہ تمہارے نصیب میں کوئی اولاد نہیں،ہاں تم چاہو تو میری اولاد جو میرے صلب میں ہے لے سکتے ہو۔پھر حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمتہ نے حضرت شیخ اکبر کے والد کی پشت سے اپنی پشت لگا کر اپنے تصرف خاص سے اپنی اولاد کو منتقل فرمایا۔ایک سال بعد اندلس کے شہر مرسیہ میں دوشنبہ (پیر) 17 رمضان المبارک 560ھ بمطابق 28 جولائی 1165ء کو پیدا ہوئے۔

پیدائش کے کچھ دن بعد آپ کے والد آپ کو حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے،حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمتہ نے انہیں گود میں سے شان وارتاب دار پیشن گوئی فرمائی۔اس لحاظ سے حضرت شیخ اکبر حضرت غوث الاعظم کے معنوی فرزند ہوئے۔

شادی واولاد

ایک روایت کے مطابق شیخ اکبر کی دو اور دوسری روایت کے مطابق چار شادیاں ہوئی۔

پہلی شادی

فاطمہ بنت یونس بن یوسف امیر الحرمین سے 598ھ/1202ء میں مکہ شریف میں ہوئی۔ان کے بطن سے محمد عماد الدین 599ھ/1203ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔

دوسری شادی

مریم بنت محمد بن عبدون البجائی سے ہوئی ان سے دو اولاد ہوئے زینب اور محمد سعد الدین پیدا ہوئے۔

تیسری شادی

ایک تحقیق کے مطابق دمشق کے مالکی قاضی القضاۃ زین الدین عبد السلام کی بیٹی سے آپ کا نکاح ہوا،خاتون کا نام نہ معلوم ہوسکا۔

چوتھی شادی

اپنے قریبی دوست مجد الدین اسحاق کی بیوہ (صدر الدین قونوی کی والدہ) سے بھی 1222ء کے لگ بھگ نکاح فرمایا۔

تعلیم

ابتدائی تعلیمی مراحل تو آپ مرسیہ اور لشبونہ میں طے کر چکے تھے۔اشبیلیہ میں آپ تقریباً تیس سال تک اقامت پذیر رہے۔اس عرصہ کے دوران آپ حصول علم میں ہمہ تن مصروف رہے،تمام علوم متداولہ مثلاً قرأت ،تفسیر ،فقہ ،صرف ونحو ،طب ،ریاضی ،فلسفہ ،نجوم ،حکمت اور دیگر علوم عقلیہ میں کامل دسترس حاصل کی۔

اساتذہ

ابن عربی نے نامور اور اعلی مقام اساتذہ سے اکتساب فیض کیا،بڑے بڑے بزرگوں سے حدیثیں اساتذہ اور مشائخ کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔

چند کی فہرست ملاحظہ ہو:

حافظ ابوبکر محمد بن خلف لخمی،ابوالقاسم عبد الرحمن غالب شراط قرطبی،ابوالحسن شریح بن محمد شریح رعینی،قاضی ابومحمد ابوعبد اللہ بازلی،قاضی ابوبکر محمد بن احمد بن ابی حمزہ،عبد الرحمن السہیلی،قاضی ابوعبد اللہ محمد بن سعید بن دربون یازرقون علیھم الرضوان

شیخ اکبر کا علمی تبحر

امام یافعی اپنی ،،تاریخ مرآۃ الجنان،، میں بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے اشعار نہایت لطیف وغریب ہیں۔آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔آپ کی تعریف میں بغداد کے شیوخ میں سے ایک شیخ نے کتاب لکھی،اس میں لکھا ہے کہ شیخ نے دوسو پچاس سے زیادہ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے،اکثر موضوع تصوف پر اور کم دوسرے علوم میں ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: میرا ارادہ ان کتب کی تصنیف میں دوسرے مصنفوں کی طرح نہیں تھا،میری بعض تصانیف اس طرح وجود میں آئیں کہ مجھے حق سبحانہ تعالی کی طرف سے ایسا امر وارد ہوا تھا کہ مجھے جلا ڈالے اس لیے میں نے خود کو اس کام میں مشغول رکھا میری بعض دیگر تصنیفات کا سبب یہ تھا کہ خواب یا مکاشفہ میں حق سبحانہ تعالی کی طرف سے حکم ہوا تھا۔

امام یافعی کی ،،تاریخ،، میں ذکر ہے کہ آپ کا شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز سے ملنے کا اتفاق ہوا باہم نظر کی لیکن ایک دوسرے سے کلام نہیں کیا۔

کسی نے شیخ اکبر سے شیخ شہاب الدین قدس سرہ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا:

ھو رجل مملو من قرنہ الی قدمہ من السنۃ

''وہ ایسے شخص ہیں جو سر سے پاؤں تک سنت نبوی کی پیروی سے مملو ہیں''۔

بقیہ: صفحہ نمبر 38 پر

جادۂ حق

قسط۔1

محمد صدیق

اللہ رب العزت نے انسان کو دو مختلف عناصر جسم اور روح کا مجموعہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا اور انسان کی سرشت میں فطری طور پر دونوں عناصر کی ضروریات کا داعیہ رکھا۔ جیسے جسم کی سلامتی کے لیے مادی ضروریات کو حاصل کرنا لازمی ہوتا ہے اسی طرح روح بھی ایک خاص خوراک اور ماحول کا تقاضا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دنیا میں اس کی دونوں ضروریات کا انتظام کیا ہے۔ اگر جسم کے لیے خوراک ،لباس ،مکان اور دیگر ضروریات کے لیے قدرتی وسائل ہیں تو دوسری طرف انسان کی روحانی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں دین اسلام کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسے لوگ پیدا کیے جنہوں نے ہر باطل قوت کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلام کا جھنڈا ہمیشہ سر بلند رکھا۔ ان میں اکثریت صوفیاء کرام کی ہے جنہوں نے ہر دور میں اس کام کو بخوبی طور پر سرانجام دیا۔ جس کا اظہار اسکارٹ لینڈ کے مستشرق H.A.R.Gibb نے ان الفاظ میں کیا:

"تاریخ اسلام میں بار ہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کو مٹانے کی پوری قوت کے ساتھ بھرپور کوشش کی گئی لیکن مغلوب نہ ہو سکا اس کی سب سے بڑی وجہ گروہ صوفیاء کا انداز فکر فوراً اس کی حمایت کو آ جاتا ہے پھر کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکی"۔

انتہائی افسوس کہ اس پاکیزہ اور روحانی نظام تعلیمات کے سلسلے میں مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جو اسلام کے روحانی نظام کا سرے ہی سے انکار کرتا ہے اور صوفیاء کرام کی ناقابل فراموش خدمات کا اعتراف کرنے کی بجائے اس کی مختلف تاویلیں کر کے ان پر شرک کے فتوے صادر کرتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا طبقہ ایسے بے عمل، جاہل اور نام نہاد پیر و گدی نشین جنہوں نے اسلام کے روحانی نظام کو جلب زر کا ذریعہ بنا کر اپنے عمل اور کردار سے اسلام کے خانقاہی نظام کی تباہی میں اہم کردار ادا کیا اور کر رہے ہیں۔ جن کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

دراصل جو لوگ روحانیت کے نظام سے بیزار رہے وہ ایسے ہی بے عمل اور جاہل پیروں ہی کی وجہ سے ہیں لیکن میں ایسے لوگوں سے کہنا چاہوں گا کہ کیا چند لوگوں کی وجہ سے آپ اسلام کے روحانی نظام سے منہ موڑ لیں گے؟ یحیٰ بن معاذ فرماتے ہیں:

"ولی اللہ کی زمین میں اللہ تعالیٰ کی خوشبو ہے جسے صرف صدیق سونگھ سکتے ہیں۔ یہ خوشبو صدیقوں کے دلوں تک پہنچ جاتی ہے اس لیے وہ اپنے مولا کی طرف مشتاق رہتے ہیں تفاوت اخلاق کے مطابق ان کی عبادت بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں یہ لوگ عبادت میں بڑھتے ہیں اس قدر فنا میں بڑھتے جاتے ہیں کیونکہ فانی جس قدر باقی کا قرب حاصل کرتا ہے اسی قدر فنا ہوتا جاتا ہے"۔

بحرحال ہماری آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ آپ ذرا اپنے اردگرد نظر تو دوڑائیں؟ ہو سکتا ہے بلکہ یقیناً آپ کو کوئی ایسے بھی مل جائیں گے، جنہوں نے کبھی کتاب اللہ کا ساتھ نہ چھوڑا ہو، جنہوں نے اپنی زندگی سنت کی احیاء کے لیے وقف کر رکھی ہو، جنہوں نے دنیا اور دنیاوی خواہشات سے اپنے وجود کو پاک رکھا ہو، جنہوں نے بکھری ہوئی انسانیت کو متحد کرنے کے لیے اپنے تن من اور دھن کی پروا تک کی ہو، جنہوں نے اپنی ضروریات کی بجائے اُمت کی ضروریات کو ترجیح دی ہو، جنہوں نے اسلامی شعار کو روشن رکھنے کے لیے اپنے بدن کو جلایا ہو، جنہوں نے کسی کی لغویات کو بھی شائستگی کا لباس دیا ہو، جنہوں نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کو ہر دم ذکر الٰہی میں رہنے کی تلقین کی ہو، ہمیشہ اخلاقیات کا درس دیا ہو اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا سبق دیتے ہوئے ان کو فکر آخرت دی ہو۔ انہی قدسی صفت نفوس میں سے ایک نام سید ریاض حسین شاہ کا ہے۔

تمام تر تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے جو خالق کون و مکاں ہے۔ وہ ہر عیب، ہر کمزوری سے پاک اور احکم الحاکمین ہے۔ اپنے فضل اور کرم سے جس کو چاہے خیر کثیر عطا فرما کر انہیں حکمت و دانائی عطا فرماتا ہے۔ خیر کثیر کا یہ سلسلہ آپ ایسے قدسی صفت لوگوں کی وجہ سے پوری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ آپ نے ساری زندگی اپنے آباؤ اجداد سے رسم و وفا نبھاتے ہوئے بکھری ہوئی انسانیت کو منزل یاب کرنے کے لیے قرآن مجید ،سنت رسول ﷺ اور اپنے آباؤ اجداد کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے ان کے اندر ایسے اوصاف پیدا کیے کہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔

کتاب اللہ اور رسول ﷺ کی محبت

ہر دور میں حقیقت تک رسائی انسانی علم کا موضوع رہا ہے۔ انسان نے اپنی عقل کے ذریعے سے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ حقیقت تک رسائی حاصل کر لے لیکن وہ اپنے محدود علم کی وجہ سے ہمیشہ ناکام رہا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً ہر دور کی ضرورت کے مطابق انبیا کرام بھیجے جن کو وحی کی شکل میں حقیقی علم عطا فرمایا اور اس سلسلے کی آخری کڑی حضور ﷺ پر وحی کے ذریعے قرآن مجید ایسی کتاب نازل کی جو لوگوں کے لیے تاریکیوں میں رہتی دنیا تک مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف 52)

"اور بے شک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جسے ہم نے علم کے ساتھ مفصل بنایا جو ایمان والی قوم کے لیے باعث ہدایت اور رحمت ہوئی"۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ (بخاری)

"تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔

گویا قرآن مجید علم کے حصول کے لیے جامع کتاب قرار پانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی ہدایت اور رحمت کا ذریعہ قرار پائی ۔ صاحب فراست کہتے ہیں:"ایمان جب سینوں میں رسوخ حاصل کر لے تو اس کا پہلا اثر دل اور دماغ میں جستجو اور تلاشِ حقیقت کا شدید داعیہ پیدا کرتا دیتا ہے۔اس مقام پر صاحب ایمان میں "العلم" کے حصول کے لیے تڑپ پیدا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے "العلم" سے مراد وہ کتاب ہے جس کا نزول رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا''۔لہٰذا جس کو بھی حقیقی علم کے ساتھ ساتھ ہدایت اور رحمت درکار ہو اس کو معلم اعظم ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ کرنے ہوں گے۔ان کی اطاعت اور محبت کے بغیر تم کتاب کا عمل، ہدایت اور رحمت حاصل نہیں کر سکتے۔

امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

''اللہ نے آپ ﷺ پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جو سراپا نور ہے جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں۔ ایسا چراغ ہے جس کی لَو خاموش نہیں ہوتی ،ایسا دریا ہے جس کی تھاہ نہیں لگائی جا سکتی، ایسی شاہراہ ہے جس میں راہ پیمائی بے راہ نہیں کرتی اور ایسی کرن ہے جس کی چھوٹ مدھم نہیں پڑتی۔ وہ ایسا حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے جس کی دلیل کمزور نہیں پڑتی ایسا کھول کر بیان کرنے والا ہے جس کے ستون منہدم نہیں کیے جا سکتے۔ وہ سراسر شفا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے روحانی بیماریوں کا کھٹکا نہیں۔ وہ سر تا سر عزت و غلبہ ہے جس کے یار و مددگار شکست نہیں کھاتے، وہ سراپا حق ہے جس کے معین و معاون بے مدد چھوڑے نہیں جاتے اور وہ ایمان کا معدن اور مرکز ہے۔اس سے علم کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے ہیں۔اس میں عدل کے چمن اور انصاف کے حوض ہیں وہ اسلام کا سنگِ بنیاد اور اس کی اساس ہے۔حق کی وادی اور اس کا ہموار میدان ہے۔ وہ ایسا دریا ہے کہ جسے پانی بھرنے والے ختم نہیں کر سکتے، وہ ایسا چشمہ ہے کہ پانی الچنے والے اسے خشک نہیں کر سکتے، وہ ایسا گھاٹ ہے کہ اس پر اترنے والوں سے اس کا پانی گھٹ نہیں سکتا اور ایسی منزل ہے کہ جس کی راہ میں کوئی راہ رو بھٹکتا نہیں۔وہ ایسا نشان ہے کہ چلنے والے کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا وہ ایسا ٹیلہ ہے کہ حق کا قصد کرنے والے اس سے آگے گزر نہیں سکتے، اللہ نے اسے عالموں کی تشنگی کی سیرابی، فقیہوں کے دلوں کے لیے بہار اور نیکوں کی راہ گزر کے لیے شاہراہ قرار دیا ہے، یہ ایسی دوا ہے کہ جس سے کوئی مرض نہیں رہتا اور ایسا نور ہے جس میں تیرگی کا گزر نہیں۔ایسی رسی ہے جس کے حلقے مضبوط ہیں اور ایسی چوٹی ہے کہ جس کی پناہ گاہ محفوظ ہے۔جو اس سے وابستہ ہوا اس کے لیے سرمایہ عزت ہے، جو اس کی حدود میں داخل ہوا اُس کے لیے پیغام صلح امن ہے ۔ جو اس کی پیروی کرے اس کے لیے ہدایت ہے جو اسے اپنی طرف نسبت دے اس کے لیے حجت ہے جو اس کی رُو سے بات کرے اس کے لیے دلیل و برہان ہے جو اس کی بنیاد پر بحث و مناظرہ کرے اس کے لیے گواہ ہے۔ جو اسے حجت بنا کر پیش کرے اس کے لیے فتح و کامرانی ہے۔ جو اس کا بار اُٹھائے یہ اس کا بوجھ ہٹانے والا ہے۔ جو اسے اپنا دستور العمل بنائے اس کے لیے تیز گام مرکب و سواری ہے، یہ حقیقت شناس کے لیے ایک واضح نشان ہے جو ضلالت سے ٹکرانے کے لیے سلاح بند ہو اس کے لیے سپر ہے جو اس کی ہدایت کو گرہ میں باندھ لے اس کے لیے علم و دانش ہے، بیان کرنے والے کے لیے بہترین کلام اور فیصلہ کرنے والے کے لیے قطعی حکم ہے''۔

اسی لیے اہل اللہ نے ہمیشہ لوگوں کو کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے اپنا تعلق مضبوط کرنے کا درس دیا اور خود بھی اسی کے مطابق زندگی گزاری۔سید ریاض حسین شاہ نے بھی اپنی تمام زندگی لوگوں کو کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کے لیے وقف کر دی ۔آپ نے تمام عمر درس قرآن دینے کے ساتھ ساتھ لاکھوں لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا، قرآن مجید کا ترجمہ اردو، ہندکو اور انگریزی زبان میں کرنے کے علاوہ قرآن مجید کی جمال آرا اور حکمت افروز تفسیر "تبصرۃ" کے نام سے قلمبند فرمائی۔آپ کے خلفاء حضرات بھی ہزاروں لوگوں کو اپنے اپنے علاقے میں کئی کئی مرتبہ قرآن حکیم ترجمہ کے ساتھ پڑھانے کا شرف حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔آپ کے ہزاروں تلامذہ اپنے اپنے حلقہ میں قرآن مجید کا درس دے رہے۔آپ اپنے تلامذہ کو اس وقت تک سند عنایت نہیں کرتے جب تک وہ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھ کر آپ کو پیش نہ کریں۔مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں اپنے اپنے گھروں میں عورتوں کو درس قرآن دینے کے علاوہ اکثر نے قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر آپ کو پیش کیا ہے۔آپ نے خود سے منسوب لوگوں کو کوئی خاص نشان نہیں دیا بلکہ یہ تاکید فرمائی ہے کہ میرا اور آپ کا تعلق تین کام کی وجہ سے ہے: ایک یہ کہ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت، دوسرا حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کم از کم ہزار مرتبہ درود پاک کا ہدیہ اور تیسرا اللہ کا ذکر۔

آپ فرماتے ہیں کہ تکمیل انسانیت کے لیے نفس، روح اور جسم کا کتاب کی دہلیز پر آنا فریضہ حیات ہے۔ کتاب پڑھنا، کتاب پڑھانا، کتاب سیکھنا اور کتاب سکھانا، کتاب کے سمندر میں اترنا اور غوطہ زنی اور شناوری سے علوم اور معارف کے موتی نکالنا واجب اور لازم ہے۔آپ مزید فرماتے ہیں: قرآن مجید مادی اور روحانی نعمتوں کا تلاطم خیز سمندر ہے۔جس میں شناوری اللہ کی مدد سے اور ''الرحمٰن'' کی رحمت ہی سے ممکن ہو سکتی ہے۔ یہ شجر طوبیٰ ہے جو فکری، روحانی اور عملی پھولوں سے لدا ہوا ہے۔

خود شناسی

انسان فقط ہڈیوں اور گوشت پوست کا نام نہیں بلکہ ربّ کائنات نے انسان کو بے پناہ نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہوا ہے، جس کی بنا پر وہ ساری مخلوقات میں افضل ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی، بدی اور نفع ،نقصان کی قوت عطا فرما رکھی ہے جس کی بدولت وہ اپنی زندگی کے فیصلے کرتا ہے۔ جو انسان اپنے مقام و مرتبہ سے نیچے گر جاتا ہے وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے اس لیے کہ جانوروں کے اندر اپنی پہچان کی طاقت نہیں ہے اور اگر اللہ نے انسان کو یہ پہچان اور مرتبہ دیا ہوا ہے اور وہ اس کو استعمال نہیں کرتا تو وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ
(التین)

''بے شک ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت معیار پر پیدا کیا''۔

سید ریاض حسین شاہ اس آیت کے سلسلے میں رقمطراز ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اچھا انسان بننے کے لیے انسان کے اندر چار چیزیں موجود ہوں۔ پہلا یہ کہ اصلاح بدن کی فکر اور عملی تحریک انسانی زندگی کا حسن ہے ۔ دوسرا یہ کہ اصلاح عقلی کا مرجع تلاش کرنا

اور اس کے ممکنات کے لیے فرماتے ہیں کہ وہ یقیناً رجوع الی اللہ ہی سے ممکن ہے۔ تیسرا یہ کہ روح کی اصلاح کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک روح میں علم حقیقی کی شعاع پیدا نہیں ہوتی۔ چوتھا یہ کہ انسان اپنے دل کی اصلاح کرے اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں کہ اس کے انسان کو چاہیے کہ وہ سینے میں حقیقی اور سچی محبت کا جذبہ اجاگر کرتے ہوئے حقیقی حسن کی تلاش کرے۔

حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

مَامِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَومَ الْقِيامةِمِنْ حَسَنِ الْخُلُقِ (جامع الترمذی)

''قیامت کے دن میزان میں خوش خلقی سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی''۔

حضرت علی علیہ السلام کو قول پاک ہے:

مَنْ أَبْدَى صَفْحَتَهُ لِلْحَقِّ هَلَكَ وَ كَفَى بِالْمَرْءِ جَهلًا أَلَّا يَعْرِفَ قَدْرَهُ

''جو بھی حق کے مقابل کھڑا ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا اور کافی ہے اس کی جہالت کے لیے کہ وہ اپنی پہچان نہ کرے''۔

اگر ہم سید ریاض حسین شاہ کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو بخوبی اندازہ ہوگا کہ آپ نے ہمیشہ مقصد حیات کو گم نہیں ہونے دیا اور دوسرے کو بھی شعور، فکر اور خودشناسی کا درس دیتے ہوئے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ لہٰذا ہمیں اس فکر میں زندگی بسر کرنی ہے کہ ہمارا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا ہم اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں؟ اگر نہیں کر رہے ہیں تو ہمیں اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانتے ہوئے اس کی فکر کرنی چاہیے۔ آپ نے ہمیشہ حق کے ساتھ زندگی گزاری اور کبھی حق کو فراموش نہ کیا نہ ہونے دیا اور ہمیشہ باطل کے سامنے حسینی جذبے سے ڈٹے رہے۔ آپ نے ساری زندگی یہی بات باور کراتے ہوئے گزاری کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت معیار پر پیدا کیا ہے اور انسان اپنے مقام و مرتبہ کو قائم رکھتے ہوئے ہمیشہ حق اور سچ کے ساتھ رہے اور لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آئے۔

بڑی منزل یا کامیابی کے حصول کے لیے ہمیشہ بڑے راہنما کی اطاعت وپیروی کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے حضور ﷺ کے اوصاف کریمانہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

سید ریاض حسین شاہ نے زبانی کلامی نہیں عملی طور پر اپنے آباؤاجداد کے طریقہ پر پاکیزہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ علماء کو اکثر کہتے سنا ہے کہ اخلاق تو یہ ہے کہ اچھائی کی بدلہ بہتر اچھائی سے دو مگر برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا یہ صرف اولاد رسول ﷺ کا ہی خاصہ ہے۔ عظیم رہبر و رہنما وہی ہوتا ہے جو اپنے عمل و کردار سے لوگوں کے لیے نمونہ بنتا ہے اور اگر کوئی کمال کا متلاشی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس رہبر و راہنما کے اصولوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لے۔ آپ محسوس کریں گے کہ کسی بھی موقع پر شاہ جی نے لوگوں کی تنقید اور لغو باتوں کی پرواہ کیے بغیر اپنی مشن کو جاری رکھا اور اگر جواب دینا مناسب سمجھا تو شائستگی کے ساتھ ہمیشہ بھلی اور اچھی بات کی بلکہ آپ نے اپنے سننے والوں اور چاہنے والوں کو بھی یہی تعلیم دی کہ اگر کوئی میرے یا تمہارے لیے کوئی برا لفظ استعمال کرتا ہے تو تم بجائے برائی کا جواب برائی سے دو اگر تم ایک پارہ قرآن پڑھتے ہو تو دو پارے کر دو اگر تم دو پارے روز پڑھتے ہو تو تین پارے کر دو اگر چار پڑھتے ہو تو پانچ پارے کر دو انشا اللہ تم دیکھو کہ بری بات کرنے والے مٹ جائیں گے اور اللہ تمہارا نام زندہ رکھے گا۔

آسان زندگی

قرآن وحدیث اور کتب تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں کہ داعی الی اللہ نے ہمیشہ لوگوں کی مشکلات کو دور کیا ہے ان کے آسانیاں پیدا کیں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ (البقرہ)

''اللہ تمہارے لیے سہولت چاہتا ہے اور وہ یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ تمہیں دشواری میں ڈال دے''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا (متفق علیہ)

''(لوگوں کے لیے) آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ ڈالو، خوش خبری دو اور ان کو متنفر نہ کرو''۔

سید ریاض حسین شاہ فرماتے ہیں کہ اسلامی نظریہ حیات کا یہ اصل الاصول ہے کہ معاملات میں نرمی اور سہولت ہو۔ اسلام تنفر کا قائل نہیں تاکف کا مدعی ہے اس لیے وہ عبادات اور اخلاق میں نرمی اور رافت سے تربیت کو ابھارتا ہے۔ جب کہ تشدد کے ماحول میں ذوق اور شعور دونوں کا قتل عام ہو جاتا ہے اور زندگی سادگی کے منہاج سے دور ہٹ جاتی ہے۔ اچھی زندگی وہی ہے جس میں تکلف نہ ہو، پیچیدگی نہ ہو، فلسفہ نہ ہو، اور شدت نہ ہو۔

علم وحکمت کے مہر درخشاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تَخَفَّفُوْا تَلْحَقُوْا (لوگوں اپنا بوجھ کم کرو تاکہ تم آگے بڑھنے والوں کو پاسکو) آپ کے اس جملے میں الفاظ کم ہیں لیکن ان میں معنویت کا سمندر موجزن ہے۔ انسان اس دنیا میں مسافر کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ جس مسافر کے پاس سامان (Luggage) جتنا کم ہوگا اس کا سفر بھی اتنا آسان اور تسلی بخش ہوگا۔ اب یہ سامان دنیا کی محبت کا بھی ہو سکتا ہے، مال و دولت کا بھی ہو سکتا ہے، خواہشات کا بھی ہو سکتا ہے، حق کو چھپانے کا بھی ہو سکتا ہے، حق والوں کو نہ ماننے والوں کا بھی ہو سکتا ہے اور حق والوں پر سب وشتم کرنے کا بھی ہو سکتا ہے۔

اگر آپ سید ریاض حسین شاہ کی کتب اور تنظیمی زندگی کا طائرانہ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ آپ نے کبھی بھی زندگی کے کسی بھی موڑ پر لوگوں کے لیے مشکلات اور مشکل راستہ کا انتخاب نہیں کیا بلکہ آپ نے خود کو مشکلات میں ڈال کر ہمیشہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کیں ہیں۔ اس کی چھوٹی سی مثال ملاحضہ ہو کم لوگ جانتے ہیں کہ آپ خود سے منسوب لوگوں کے گھر بہت کم جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اکثر اپنے سنگیوں سے فرماتے ہیں کہ آپ مجھے اس طرح عزیز ہو جیسے میرے ناخنوں کے ساتھ لگا ہوا گوشت، لیکن میں کیا کروں مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا کسی سنگی یا دوست کے گھر لاؤلشکر لے کر جانا اس کے لیے مشکلات پیدا کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ معاشی طور پر کمزور ہو اور میری محبت میں کوئی قرض اٹھا کر میرے لیے کوئی اہتمام کرے جو اس کے لیے مشکل کا باعث بنے تو بہتر نہیں کہ میں اس کے لیے آسانی پیدا کروں۔ آپ کو اکثر اپنے خلیفہ محترم محمد بہاؤالدین اشرفی زیدہ مجدہ کو کہتے ہوئے سنا کہ خیال رکھنا میرے سنگیوں کو کسی معاملہ میں کوئی مشکل اور تنگی نہ ہو، ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنا۔

نعمت پر شکر اور خرچ کرو

عصر حاضر میں اسلامی معاشرہ افراتفری اور تذبذب کا شکار ہے۔ انسان نے چاند تک تو رسائی حاصل کرلی لیکن اگر دیکھا جائے تو اس کو اپنے پڑوسی کی خبر گیری کے لیے فرصت

نہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کی علمی ضرورت کے ساتھ ساتھ اس کی اخلاقی تربیت بھی کی جائے۔
قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (ابراہیم)
"اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں ضرور اور خوب نوازوں گا"۔
اس آیت مبارکہ کی رو سے تمام تر سپاس گزاری کی سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے جس نے اپنے بندوں پر احسان عظیم کرتے ہوئے اپنی کتاب اور رسول ﷺ کی ذات گرامی کے ذریعے اصلاح و ہدایت کا بندوبست کیا اور ہمیں اسلام ایسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ شکر کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے تمام زندگی بسر کرنا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اقتدار دیا ہے تو چاہیے کہ رعایا کی خدمت بجالائے، مال دے تو اس کے بندوں پر خرچ کرے، علم عطا ہو تو لوگوں کی رہنمائی کرے۔ طاقت نصیب ہو تو لوگوں کی مدد کرے، صحت ہو تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کے ساتھ اس کے بندوں کی خدمت کرتا رہے۔
حضور ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے:
مَنۡ لَا يَشۡكُرُ النَّاسَ لَا يَشۡكُرُ اللهَ
(سنن الترمذی)
"یعنی جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا گویا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا"۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے کہ:
لَا تَنۡسَوۡا عِنۡدَ النِّعَمِ شُكۡرَكُمۡ
"نعمتوں کے وقت شکر کو ترک نہ کرو"۔
اہل اللہ کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ کبھی کسی سے شکریہ (Thanks) کی توقع نہیں رکھتے۔ وہ کسی کے ساتھ احسان وبھلائی کرتے ہیں تو فقط اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے، اس کے برعکس اگر کوئی ان کے ساتھ بدتمیزی یا زیادتی بھی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ پھر بھی احسان والا معاملہ کرتے ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی اللہ والے پر کوئی احسان کرتا ہے تو وہ اس احسان کو زندگی بھر نہیں بھولتا بلکہ وہ وقتاً فوقتاً اس کے ایک احسان کے بدلے اس کے ساتھ احسان یا بھلائی کرتا رہتا ہے اور ہر دم اس کا شکر گزار رہتا ہے۔
سید ریاض حسین شاہ کی اس عادت سے لوگ بخوبی آگاہ ہیں کہ آپ نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اور ان نعمتوں کو انسانیت کی فلاح کے لیے ہمیشہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے خرچ کیا ہے۔ مثلاً آپ کا سنی سیکرٹریٹ کی کڑوروں روپے مالیت کی زمین وقف کر دینا کہ یہاں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کا کام ہوگا۔ اگر دیکھا جائے اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور ان گنت نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہیں ان میں سے اکثر اس نے اپنے خاص بندوں کے ذریعے سے لوگوں کو دی ہیں، اس لیے ضروری تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کا بھی شکر ادا کیا جائے، اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اگر انسانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا یہ جذبہ پیدا ہو اور جس کے ساتھ احسان کیا گیا ہو وہ اس شکر گزار شرہے تو معاشرے میں پیار محبت کا اضافہ ہوگا۔ (جاری ہے)

بقیہ: ماسٹر احسان الٰہی

ثوبیہ حضور ﷺ کی رضاعی ماں بھی بنیں اور رسولِ اکرم ﷺ ساری زندگی انہیں تحائف اور ہدایا سے نوازتے رہے۔
خوش ہونا، خوشیاں منانا اور دوسروں کو خوش کرنا یہ بخت کی بات ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ولادت پر اظہار خوشی، اظہار تشکر اور اظہار محبت گہر ہائے مقصودہ کو حاصل کر لینے کا دوسرا نام لیکن خوشیوں کا تعاقب کرنا ہی کافی نہیں ہوتا، خوشیوں کے تقاضے پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ میلاد النبی ﷺ کی بابرکت گھڑیوں میں تمام مسلمانوں کو سچے اور پرخلوص انداز میں اتباع نبوی کا ارادہ کرنا چاہیے اور وہ مقاصد زندگی جو آپ نے امت کے سامنے رکھے ان کی تکمیل کی کوشش ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ کے پیغام حیات اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے رنگ کو الطاف حسین حالی نے احسن انداز میں پیش کیا ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
غلاموں کا والی ، یتیموں کا مولیٰ
خطاکار سے در گزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کا شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

(دلیل راہ جنوری 2015 صفحہ 15,14)

بقیہ: ابن عربی کے مختصر حالات

جب شیخ شہاب الدین قدس سرہ العزیز سے شیخ اکبر کی نسبت پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ھو بحر الحقائق (وہ حقائق کے سمندر ہیں)۔

تصانیف وتالیف

حضرت شیخ اکبر کی چار سو تصانیف ہیں زیادہ معروف صفحہ قرطاس کے حوالے تفسیر صغیر، تفسیر کبیر، فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، ترجمان الاشواق مجموعۃ القصائد، کتاب الاخلاق، دیوان ابن عربی، روح القدوس، محاضرات الابواب، مسامرات الاخیار، مشکوۃ الاخیار، التدبیرات الالھیہ، مواقع النجوم، انشاء الدوائر، کتاب العظمۃ، شجرۃ الکون، القول النفیس، کتاب الجلالہ، کتاب تاج الرسائل، نقد النصوص، رسالہ وجودیہ

کشف والہام

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ قلم کی سیاہی کو صفحہ قرطاس پر انڈیلتے ہیں کہ آپ نے انبیا علیہم السلام سے ملاقات کی، ان سے استفادہ کیا، آپ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قرآن پڑھا، آپ گویا ہیں کہ جس وقت میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قران پڑھتا تھا قرآن میں جہاں کہیں آپ کا اسم گرامی آتا آپ پر رقت طاری ہوتی، جس کی وجہ سے مجھے بھی رقت محسوس ہوتی، حضرت شیخ اکبر نے بے شمار انبیا علی نبینا علیہم السلام سے استفادہ کیا، اس کے متعلق اپنی مشہور تصنیف جو حضور اقدس ﷺ کی ایماء پر لکھی ہے (یعنی فصوص الحکم) میں اس کا تذکرہ فرمایا۔

وفات

آپ کا وصال 28 ربیع الآخر 640ھ 16 نومبر 1245ء شب جمعہ نماز مغرب کے دوسرے سجدہ میں ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے اپنی تفسیر کبیر کو بطرز حقائق لکھی ہے قرآن کی اس آیت "وعلمنہ من لدنا" علماء پر پہنچے ہی تھے کہ اپنے رب اعلی سے جاملے۔

اسلاف کرام کی تجارت اور ہمارا معاشرہ

محمد ہاشم اعظمی مصباحی

مذہب اسلام میں تجارت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دنیا کے کسی بھی مذہب و نظام نے معیشت و تجارت کو وہ اہمیت نہیں دی جو مقام وحیثیت مذہبِ اسلام نے دیا ہے لیکن مذموم ذہنیت کی بنیاد پر بعض پیشوں کو باعث ننگ و عار سمجھنا آج کے دور کی بہت بڑی لعنت ہے تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء و مرسلین، صحابہ و تابعین، اور سلف وصالحین نے ہر طرح کی جائز تجارت سے اپنے گھر آنگن کی کفالت کا فریضہ بحسن وخوبی سرانجام دیا ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کپڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چمڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اور زرہیں فروخت کر کے اپنے گھر کو سنبھالا ہے اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کھجوروں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پتھروں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لکڑی کے برادے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اون، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کھجور کی چھال، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے مشکیزوں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے لکڑیوں کے کاروبار سے اپنے گھر کی کفالت فرمائی ہے۔

آج کل اگر کوئی شخص پھیری لگا کر کندھے پر گٹھری رکھ کر کپڑا بیچتا ہو تو لوگ اسے کم تر خیال کرتے ہیں حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بہت سے بزرگوں نے یہ کام کیا ہے اپنے اسلاف کے کاروبار کو دیکھیں تو امام غزالی کتابت کرتے، حضرت امام بخاری ٹوپیاں بناتے، امام مسلم عطر بیچتے، امام نسائی بکریوں کے بچے فروخت کرتے، ابن ماجہ رکاب اور لگام بیچتے اور حضرت ابوصالح سمان روغن زیتون کا کام کیا کرتے تھے۔

حضرت امام یونس، حضرت ابن عبید داؤد، حضرت ابن ابی ہند، حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت وثیمہ ریشمی پارچہ یعنی کپڑے کا کام کرتے تھے۔ امام بخاری کے استاد حسن بن ربیع نے کوفی بوریوں کا کاروبار سنبھالا حضرت امام قرطبی نے جبہ فروشی کی، حضرت امام ابن جوزی نے تانبا بیچا اور معروف بزرگ حضرت سری سقطی نے ٹین ڈبے بیچ کر اپنی معیشت کو مضبوط کیا۔

امام احمد بن عمر الخصاف بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد شخص تھے عربی میں خصاف موچی کو کہتے ہیں یہ جوتیوں کی مرمت کرتے تھے اس لئے آپ کو خصاف کہا جاتا ہے علامہ احمد بن محمد بن احمد القادوری یہ بھی بہت بڑے فقیہ و عابد شب زندہ دار تھے فقہ میں المختصر القدوری آپ کی عظیم تصنیف ہے جو باضابطہ درس نظامی میں شامل ہے آپ مٹی کے برتن کا کاروبار کرتے تھے اس لئے آپ کو قدوری کہا جاتا ہے۔

القدوری

عربی زبان میں مٹی کی ہنڈیا بیچنے والے کو کہتے ہیں علامہ محمود بن احمد الحصیری بھی ایک فقیہ اور بہت ہی جلیل القدر بزرگ تھے آپ چٹائیوں کا کام کرتے تھے عربی میں حصیری اس شخص کو کہتے ہیں جو چٹائی بناتا ہو۔ امام ابوبکر بن علی الحدادی بہت بڑے عالم تھے آپ نے المختصر القدوری کی شرح لکھی ہے

آپ لوہے کا کام کرتے تھے اس لیے آپ کو حدادی کہا جاتا ہے عربی میں حداد لوہار کو کہتے ہیں آج کل کندھے پر گٹھڑی رکھ کر بیچنے والے، جوتیوں کی مرمت کرنے والے مٹی، کے برتن بنانے والے، چٹائی بنانے والے اور لوہار کو حقیر اور کمتر آدمی سمجھا جاتا ہے اور ٹھیک ٹھاک علاقوں میں رہنے والے افراد ایسے لوگوں سے رشتہ کرنے پر تیار نہیں ہوتے لیکن مسلمانوں کے زریں عہد میں مذکورہ کام کرنے والے دنیا کے امام تھے کیونکہ اس زمانہ میں کسی بھی پیشہ کو صرف حصول رزق کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا آج کی طرح کسی پیشہ کو خسیس اور باعث عار نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اب عزت اور ذلت کا معیار اور اس کے پیمانے بدل گئے ہیں اب سودی کاروبار کرنے والے، اسمگلنگ کرنے والے، نقلی دوائیں بنا کر بیچنے والے، ناجائز اور حرام ذرائع سے مال حاصل کرنے والے، کوٹھیوں میں رہنے والے، بینک بیلنس والے عزت دار ہیں۔

ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ رزق حلال کے حصول کے لیے پھیری لگانے والا، لوہے کا کام کرنے والا، چٹائی بنانے والا، مٹی کے برتن بنانے والا اور جوتی کی مرمت کرنے والا حقیر اور ذلیل ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عزت والے ہیں وہ اس دور کے لوگوں کے نزدیک ذلت والے ہیں۔

بقیہ: شیخ عبدالقادر جیلانی

یہ عقیدہ سیدنا حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا ہے جنھوں نے ہندوستان کی دھرتی پر نوے لاکھ مشرکوں کو کلمہ توحید پڑھایا اور انھیں کفر و شرک سے بچا کر دائرہ اسلام میں داخل کیا سب اہل ایمان اللہ کے اس ولی کی عظمتوں کو خراج تحسین ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر کرتے ہیں غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے عمل و سیرت و کردار سے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی فرمائی اور آپ نام نہاد جھوٹے پیروں کے سخت خلاف تھے جو محض روٹی روزی کے لیے لوگوں کے ایمان اور عقائد کو تباہ کرتے ہیں آج اس وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم پیران پیر روشن ضمیر سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مقدس تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جاہل شعبدہ باز جھوٹے پیروں سے دور رہیں اور کسی کامل ولی اللہ کی صحبت میں رہ کر اپنی زندگی کو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلائیں اللہ کا ذکر کثرت سے کریں اور اپنے اعمال و عقائد کو درست کریں فرقہ واریت جو اس ملک میں عام ہو چکا ہے کو ان اولیاء کرام کی مبارک حیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جنھوں نے لاکھوں مشرکوں کافروں کو اپنے اخلاق سے اپنے پیار سے کلمہ پڑھایا انھی اولیاء کاملین نے محبتوں کو فروغ دیا بھائی چارے اخوت رواداری کا درس دیا اللہ کریم ہمیں ان کی تعلیمات مقدسہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق سعید عطا فرمائے آمین

حضور سرورِ کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے انسان! سب دھندوں سے فارغ ہو کر میری عبادت کرتا کہ میں تیرا سینہ غنا اور بے پروائی سے بھر دوں اور تیری احتیاج کو ختم کر دوں اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے دونوں ہاتھوں کو کام کاج میں جکڑ دوں گا جبکہ تیری احتیاج مزید بڑھتی جائے گی'' (ترمذی)۔

ہماری زندگی کے سوقیانہ انداز، ہماری بازاری مصروفیت، ہماری تاجرانہ تبلیغ اور ہمارے خوفناک رویے لگتا ہے بے برکتی کے گرداب میں الجھے ہوئے ہیں۔ مسائل کی تاریکیوں سے نجات اور برکت کے جلوے مخلصانہ اعمال اور اذکار و عبادات میں مضمر ہیں جس کے لئے ہمارا وقت ہی نہیں بن رہا آخر کبھی تو ہمیں ٹھیک ہونا ہوگا لیکن سوال ہے کب ایسا ممکن ہوگا؟۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''سب سے پہلے جو چیز انسان کی گندی ہوتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے پس ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے پیٹ میں پاک چیز ہی ڈالے'' (ابوداؤد)۔

عصر حاضر نے انسان کو بڑے بڑے اور پیارے پیارے تحفے دیے ہیں نتیجتاً آج کا انسان صاحب علم ہو گیا ہے، صاحبِ معلومات ہو گیا ہے اور صاحب مصروفیات ہو گیا ہے لیکن مصروف زندگی میں لگتا ہے ہر چیز مکتب سے میخانے پہنچ رہی ہے۔ رزق حلال نہیں رہا اور حرص اور زیادہ کماؤ نے معاشرہ کرپٹ کر دیا ہے، عظمت اور فضیلت تو رزقِ حلال ہی سے ممکن ہے۔

گفتنی ناگفتنی سے ایک اقتباس

عرفان مکینیکل کارپوریشن
کوٹ لکھپت اسٹیشن، لاہور۔ 0423-5854555
رانا محمد جاوید۔ 0321-4501316